شیعہ سُنّی مفاہمت
کی ضرورت واہمیت

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خُدّامُ القُرآن لاہور

شیعہ سُنّی مفاہمت
کی ضرورت واہمیت

اور

اہل سُنّت اور اہل تشیّع کے بعض اہم اختلافات
کی اصل حقیقت وحیثیت

☆

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور،
داعی تحریک خلافت پاکستان، و بانی تنظیم اسلامی

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

36 کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5869501-03

نام کتاب ——— شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت واہمیت
طبع اوّل تا طبع سوم (فروری 1997ء تا فروری 2004ء) — 4400
طبع چہارم (اگست 2006ء) ——— 1100
ناشر ——— ناظم نشر واشاعت مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقامِ اشاعت ——— 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 03-5869501
مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت ——— 65 روپے

email:publications@tanzeem.org
website:www.tanzeem.org

انتساب

پاکستان کے

اثنا عشری شیعہ حضرات

کی خدمت میں

اس استدعا کے ساتھ کہ :

○ اللہ اور رسولؐ کے نام پر

○ وحدت امت مسلمہ کے نام پر

○ پاکستان میں اسلامی انقلاب کے نام پر

اور

○ حضرت مہدی موعود کی نصرت و حمایت کے اہتمام و انصرام کے نام پر

شیعہ سنی مفاہمت کی اس مثبت اساس

پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں جو اس کتاب میں پیش کیا جا رہا ہے

اور جسے امام خمینی اور ایران کی موجودہ قیادت کی مکمل تائید حاصل ہے!

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

ترتیب

تقدیم

از قلم : ڈاکٹر اسرار احمد — 5

باب اول

○ پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت
اور اس کی ٹھوس اساس
ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ — 11

○ ضمیمہ :
اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت اور
مفاہمت کا راستہ
خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی — 47

باب دوم

○ مقدمہ :
امیر تنظیم اسلامی کا سفر ایران۔ ایک رپورتاژ
تحریر : ڈاکٹر عبدالخالق — 54

○ سفر ایران کے مشاہدات اور تاثرات :
ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ — 69

باب سوم

○ شیعہ سنی اختلافات کا جائزہ' اور حضرت مہدی موعود کی شخصیت
کے بارے میں اہلسنّت اور اہل تشیع کا موقف
ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ — 101

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

پیش نظر کتاب میں میری تین تقریریں جمع کر دی گئی ہیں' جو ابتدائً کیسٹ کے ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کر کے جوں کی توں "میثاق" کی مختلف اشاعتوں میں شائع کر دی گئی تھیں۔

ان میں سے پہلی تقریر ۱۷/ مارچ ۱۹۹۵ء کو جامع مسجد دار السلام' باغ جناح لاہور میں کی گئی تھی اور پھر پہلے تو ٹیپ سے اتار کر "میثاق" بابت اپریل ۹۵ء میں شائع کر دی گئی تھی' اور بعد ازاں وسیع پیمانے پر اشاعت اور بلاقیمت تقسیم کے لئے تنظیم اسلامی نے "پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے مؤثر اور ٹھوس اساس" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع کی تھی۔

دوسری تقریر میں نے یکم نومبر ۹۶ء کو اسی مقام پر' اپنے اواخر اکتوبر میں سفر ایران سے واپسی پر کی تھی جو دسمبر ۹۶ء کے "میثاق" میں طبع ہوئی تھی۔

اب ان تینوں کو مضمون کے اشتراک کی بنا پر یکجا شائع کیا جا رہا ہے۔

مارچ ۹۵ء اور نومبر ۹۶ء کے دوران دو اہم واقعات ظہور پذیر ہوئے جن کا ان تقریروں سے براہ راست تعلق ہے۔

ایک یہ کہ جب میں نے ۱۷/ مارچ ۹۵ء کی تقریر میں پیش کردہ مصالحتی فارمولے پر تحریک جعفریہ پاکستان کے قائد جناب سید ساجد حسین نقوی سے گفتگو اور ملاقات کے لئے وقت مانگا تو انہوں نے کرم فرمایا کہ خود ہی اپنے چند رفقاء کے ہمراہ مجھ سے ملنے کے لئے اسلام آباد میں میری قیام گاہ پر تشریف لے آئے۔ یہ ان کی بہت بڑی مہربانی تھی جس کے لئے میں ان کا تو ممنون ہوں ہی' اس کے لئے جو کوشش اور سفرِ اسلام آباد کی جو زحمت جناب سید ہادی علی نقوی نے برداشت کی اس کے لئے ان کا بھی خاص طور پر شکریہ ادا

کرنا ضروری سمجھتا ہوں--- اور اگرچہ اس ملاقات سے فوری طور پر کوئی عملی نتیجہ برآمد نہیں ہوا' لیکن انگریزی محاورے کے مطابق "برف تو ٹوٹ ہی گئی"۔ ان شاء اللہ آئندہ رابطے سے بہتر نتائج بھی حاصل ہو جائیں گے۔

اس سے بھی بہت اہم تر واقعہ یہ پیش آیا کہ نومبر ۱۹۹۵ء میں حکومت ایران کے ایک اہم محکمے "ثقافت و علاقات اسلامیہ" کے تحت قائم ہونے والے ادارے "المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیه" کے سربراہ جناب آیت اللہ محمد واعظ زادہ الخراسانی پاکستان کے دورے پر آئے تو از راہ کرم مجھ سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی بھی تشریف لائے۔ ان کے ذریعے مجھے یہ معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ موجودہ ایرانی قیادت کا طے شدہ موقف وہی ہے جو میں نے مارچ ۹۵ء کی تقریر میں "ڈرتے ڈرتے" پیش کیا تھا' اور جس کے بارے میں ہر جانب سے یہی صدا سننے میں آئی تھی کہ اسے اہل تشیع کبھی تسلیم نہیں کریں گے---- بلکہ بعینہٖ یہی موقف قائد انقلاب ایران جناب آیت اللہ روح اللہ خمینی مرحوم کا بھی تھا۔ اپنی معلومات میں اس اضافے پر میں حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے سرشار ہو گیا--- اور میں نے اس کی توثیقِ مزید اور "علیٰ رؤس الاشہاد" اعلان کے لئے محترم واعظ زادہ صاحب کو قرآن کالج میں اسی موضوع پر خطاب کی دعوت دی جو انہوں نے بکمال لطف و کرم منظور کر لی۔ چنانچہ انہوں نے وہاں مجمع عام میں اپنے اور ایرانی قیادت کے اس موقف کو علی الاعلان فارسی میں بیان کیا جس کا اردو ترجمہ ہم نے مجلّہ "ندائے خلافت" کی ۱۹/ دسمبر ۹۵ء کی اشاعت میں شائع کر دیا۔ اور اب اسے میری ۱۷/ مارچ ۹۵ء والی تقریر کے ساتھ بطور "ضمیمہ" شائع کیا جا رہا ہے۔ (جناب واعظ زادہ خراسانی صاحب کے فارسی خطاب کا ترجمہ جامعہ پنجاب کے شعبہ فارسی سے وابستہ قابل احترام استاذ جناب شیخ نوازش علی صاحب کی کاوش کا مرہون منت ہے' جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔)

بہرحال اس ؏ "متفق گردید رائے بو علی با رائے من!" کے انکشاف نے جہاں ایک جانب مقامی طور پر میری حوصلہ افزائی کی' اور پاکستان کے مستقبل کے بارے میں میری امید و بیم کا توازن امید کی جانب بڑھا دیا' وہاں دوسری جانب یہی چیز میرے اکتوبر

۹۶ء کے دورۂ ایران کا سبب بن گئی۔

اس کتاب میں شامل میری دوسری تقریر ' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ' سفر ایران سے واپسی کے فوراً بعد نومبر ۹۶ء میں کی گئی تھی۔ لہٰذا عزیزم ڈاکٹر عبد الخالق کی لکھی ہوئی اس سفر کی مختصر روداد کو اس کے "مقدمے" کے طور پر شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

تیسری تقریر اگرچہ زمانی اعتبار سے تو دوسری سے مقدم تھی ' اس لئے کہ ۱۱/ اکتوبر کو سفر ایران سے متصلاً قبل کی گئی تھی۔ لیکن یہ چونکہ ایک ایسے موضوع سے متعلق ہے جس کے ضمن میں اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین کچھ امور مابہ الاشتراک بھی ہیں ' اور ایک اہم بات اختلافی بھی ' لہٰذا اسے ایک مستقل حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اسے کتاب کے آخر میں رکھا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس کاوش کو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کی مساعی کو تقویت کا ذریعہ بنا دے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

۲۶/ جنوری ۱۹۹۷ء

مطابق ۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

باب اول

پاکستان میں شیعہ سُنّی مفاہمت

کی اہمیت

اور

اس کی ٹھوس بنیاد

☆

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خطابِ جمعہ

☆

مع

ضمیمہ

اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت

اور مفاہمت کا راستہ

خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی

پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت
کی اہمیت اور اس کی ٹھوس بنیاد

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

(۱۷ مارچ ۱۹۹۵ء)

خطبہ مسنونہ کے بعد :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ
وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ
وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ؕ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ ؕ
اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ○ وَمَا
تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ؕ وَلَوْلَا
کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ؕ وَاِنَّ
الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ ○
فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ۚ
وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ ۚ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ ؕ
اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ ؕ لَا حُجَّۃَ
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ ؕ اَللّٰہُ یَجْمَعُ بَیْنَنَا ۚ وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

آج میں تمام وقتی امور کو نظر انداز کر کے اور کسی تمہیدی بحث میں وقت صرف کئے بغیر براہ راست اسی موضوع پر اپنی گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں جس کا اعلان کیا گیا ہے۔ یعنی "پاکستان میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے کوئی مؤثر اور ٹھوس اساس"۔ پیش نظر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو میری اس تقریر کا کیسٹ عام کیا جائے' اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے' تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت میں اس سلسلہ میں کوئی مثبت پیش رفت ہو تو یہ اس کا ایک ذریعہ بن جائے۔

اس موضوع پر براہ راست گفتگو سے قبل میں سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کے حوالے سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو میں نے آغاز میں تلاوت کی ہیں۔ ان آیات کا براہِ راست تعلق اس موضوع سے ہے اور ان کی روشنی میں ہمیں اس بنیادی بحث کی طرف راہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے کہ اسلام میں فقہی مسالک اور مذاہب کی اہمیت اور ان کی حیثیت کیا ہے اور ان کے بارے میں صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہئے؟ شیعہ سنی مسئلہ پر گفتگو سے قبل اصولی طور پر یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلام میں مختلف فقہی مسالک موجود ہیں۔ چنانچہ حنفیت' شافعیت' مالکیت اور حنبلیت کے علاوہ ظاہریت اور سلفیت یعنی اہلحدیثیت اور فقہ جعفری بھی موجود ہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان چیزوں کی کیا حیثیت ہے' ان کی کیا اہمیت ہے اور ان کے بارے میں ہمارا طرز عمل اور طرز فکر کیا ہونا چاہئے؟ اس سلسلے میں ان تین آیات کا حوالہ دراصل صرف اس لئے دیا جا رہا ہے کہ ہمیں اس موضوع سے متعلق ان آیات سے جو ہدایات اور راہنمائی ملتی ہے اسے ہم اخذ کریں۔ اِس وقت ان آیات کا درس دینا اور ایک ایک لفظ پر گفتگو کرنا مقصود نہیں ہے۔

دین اور شریعت میں فرق

میرے نزدیک سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ اس اعتبار سے قرآن حکیم کا ذروۂ سنام ہے کہ دین اور شریعت میں جو فرق ہے وہ یہاں نہایت عمدگی سے واضح ہوتا ہے!

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ
وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى...

"(اے مسلمانو!) اس (اللہ) نے تمہارے لئے بھی دین میں وہی شے معین کی ہے
جس کی وصیت کی تھی اس نے نوحؑ کو اور جو وحی کی ہے ہم نے (اے محمد ﷺ)
آپ کی جانب اور جس کی وصیت کی تھی ابراہیمؑ کو اور موسیٰؑ کو اور عیسیٰؑ کو...."

ان الفاظِ مبارکہ کا براہ راست جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دین ہمیشہ سے 'ازازل تاابد' ایک ہی رہا ہے۔ اس آیت میں تو صرف "اُولُوا العَزمِ مِنَ الرُّسُل "یعنی حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام اور حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ ہے' ورنہ دین تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ہی ہے اور یہی دین ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ چنانچہ تمام انبیاء و رسل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا دین ایک ہی تھا۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں جدا تھیں۔ کم از کم دو شریعتیں یعنی شریعتِ موسویؑ اور شریعتِ محمدیؐ تو بالکل واضح طور پر جدا ہیں۔ اس لئے کہ باقی شریعتوں کے بارے میں ہمارے پاس زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کون سی شریعت اور کیا احکام دیئے' یہ ہمیں معلوم نہیں' کیونکہ ان کا کوئی صحیفہ یا کوئی کتاب آج موجود نہیں ہے۔ اگرچہ اب بھارت میں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ "منوسمرتی" درحقیقت حضرت نوح علیہ السلام کا صحیفہ ہے اور "منو" اصل میں "مہانوح" کی بدلی ہوئی شکل ہے (ہندی میں "مہا" بڑے کو کہتے ہیں' جیسے "مہابھا" لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کا میں نے حوالہ کے طور پر ذکر کر دیا' ورنہ قرآن حکیم میں حضرت نوح علیہ السلام کے کسی مصدقہ صحیفہ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے ہمیں فطرت کی کچھ چیزیں تو معلوم ہیں' جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ "عشرۃٌ مِنَ الفطرۃِ........الحدیث" یعنی "دس چیزیں فطرت میں سے ہیں...." اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی سنت

ہیں۔ لیکن آیا انہیں شریعت کے کوئی تفصیلی احکام بھی دیئے گئے یا نہیں' اس کا ہمارے پاس نہ کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی ریکارڈ۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شریعت یقیناً دی گئی جسے ہم شریعتِ موسویؑ کے نام سے جانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ماننے والوں کو یہی کہہ کر گئے کہ "یہی شریعت تم پر بھی لاگو رہے گی"۔ (Don't think I have come to destroy law) پس جو شریعتیں آج معلوم ہیں وہ دو ہی ہیں : شریعتِ موسویؑ اور شریعتِ محمدیؐ -----اور ان دونوں میں بعض اعتبارات سے بڑا فرق ہے۔ روزے کی صورت اور نماز کی ہیئت میں فرق کے علاوہ اور بھی بعض احکام میں واضح فرق ہے۔ اس اعتبار سے اس بات میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مختلف رسولوں کی شریعتیں مختلف ہیں لیکن دین ایک ہی ہے۔ اسی لئے میں اس آیتِ مبارکہ کے اگلے حصے پر زور دینا چاہتا ہوں :

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ

"کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ!"

یہاں پر "فِیہ" (اس میں) کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی اختلاف کسی اور معاملے میں تو ہو سکتا ہے' لیکن دین کے معاملے میں تفریق اور تفرقہ نہ ہو! --- اسی چیز کو قرآن مجید نے دو اور مقامات پر مزید واضح کیا ہے۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۶۰ کے الفاظ ہیں :

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ

"(اے نبی ﷺ) جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کر لئے اور وہ گروہوں میں منقسم ہو گئے آپؐ کا پھر ان سے کوئی سروکار نہیں"۔

اور جیسا کہ میں نے بارہا کہا ہے کہ اہم مضامین قرآن حکیم میں کم از کم دو مقامات پر لازماً آتے ہیں' چنانچہ ذرا سے لفظی فرق کے ساتھ یہ مضمون سورۃ الروم (آیات ۳۱'۳۲) میں بھی بایں الفاظ آیا ہے :

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

"اور (اے مسلمانو!) تم ان مشرکین کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے

ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور ہر گروہ جو کچھ (دین کا حصہ) اس کے پاس ہے (اس کو لے کر بیٹھا ہوا ہے اور) اس پر خوش و خرم (اور مطمئن) ہے"۔

گویا۔

اڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

یہ وہ مضمون ہے جس کے بارے میں میں نے عرض کیا ہے کہ سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۳ اس کا زروۂ سنام ہے' جس میں فرمایا گیا کہ "اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" یعنی "یہ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو!"۔ شریعتوں کے اختلاف کے باوصف دین میں تفرقہ نہ ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ "دین" کیا ہے؟ دین کو اگر ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ "توحید" ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؟ یہ کہ حاکمِ مطلق صرف اللہ کو تسلیم کیا جائے' پوری زندگی اس کے احکام کے تحت آجائے۔ یہ دینِ توحید ہے۔ البتہ اس کی عملی شکل میں ایک چیز کا اضافہ ہو جائے گا اور وہ یہ کہ حاکمِ حقیقی کا نمائندہ چونکہ رسولِ وقت ہوتا ہے لہٰذا دین نام ہے اللہ کی اطاعت اور رسولِ وقت کی اطاعت کا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے وقت میں اللہ کے نمائندے تھے' اسی طرح حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے نمائندے تھے.... اور حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا دورِ رسالت شروع ہونے کے بعد آپؐ اللہ تعالیٰ کی نمائندگی کے منصب پر فائز ہوئے اور چونکہ آنحضور ﷺ کی رسالت ابدی اور دائمی ہے لہٰذا اب قیامت تک "دین" کی تعریف یہی ہوگی کہ "اللہ کی حاکمیت اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت"۔ اور عملی اعتبار سے چونکہ اللہ کی حاکمیت بہت حد تک ایک نظری شے بن جاتی ہے لہٰذا سنت یا اطاعتِ رسولؐ اہم تر ہو جاتی ہے۔ یہی بات ہے جسے علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے اس شعر میں واضح کیا ہے کہ۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

چنانچہ دین نظری اعتبار سے اگرچہ "دین اللہ" ہے' دینِ توحید ہے' بالفاظ دیگر حاکیت اللہ کی ہے' لیکن عملی اعتبار سے یہ دینِ محمد ﷺ ہے۔ اسی طرح یہ اپنے اپنے وقت میں دینِ موسیٰ اور دینِ عیسیٰ (علیہما السلام) تھا۔

تفرِقہ کا اصل سبب اور اس کا نتیجہ

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ تفرقہ و افتراق کا اصل سبب کیا ہے؟ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اختلاف اور تفرقہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اختلاف اپنی جگہ ہے' جس کے بارے میں قرآن حکیم میں کہا گیا ہے : "لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ...... وَلِذٰلِکَ خَلَقَھُمْ" (ہود : ۱۱۸۔۱۱۹) یعنی "یہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے .... اور اسی طرح اُس نے انہیں پیدا کیا ہے"۔ یعنی اختلاف تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا ایک اصول ہے' جس پر اس نے انسانوں کو بنایا ہے۔ کائنات میں یکسانیت (monotony) کہیں ہے ہی نہیں۔ دو انسانوں کی شکلیں آپس میں نہیں ملتیں' اور تو اور ان کے ہاتھوں کے انگوٹھوں کے نشانات تک آپس میں نہیں ملتے۔ اللہ کی تخلیق میں ایک بوقلمونی اور رنگا رنگی ہے۔ سورۃ الروم میں فرمایا کہ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اللہ کی عظیم آیات میں سے ہے۔ گویا اختلاف اس کائنات کے لئے ایک اصولِ موضوعہ اور تخلیق کی ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانوں کی زبانوں میں فرق ہے' ان کی صورتوں اور رنگوں میں فرق ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کے مزاج ایک نہیں' ان کی ترجیحات ایک نہیں' ان کے ذوق ایک نہیں' ان کے فہم کا معیار ایک نہیں' ان کی ذہانت ایک سی نہیں۔ چنانچہ اختلاف تو ہر جگہ موجود ہے اور یہ کوئی ایسی بری اور انہونی شے بھی نہیں' جبکہ تفرقہ ایک الگ شے ہے۔ اختلاف کو گوارا کرنے کی بجائے اگر "من دیگرم تو دیگری" کی نوبت آجائے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے جائیں تو یہی تفرقہ ہے جو کفر اور شرک سے کم نہیں۔ تفرقہ کا سبب قرآن حکیم میں کم از کم ۵ مقامات پر ایک جیسے الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔ یہاں سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۴ میں بھی یہی فرمایا گیا :

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ

"اور انہوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا تھا' آپس کی ضد کی وجہ سے!"

تفرقہ جب بھی ہوتا ہے وہ "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یعنی ضِدم ضدا' ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کی کوشش۔ تفرقہ کبھی نیک نیتی سے نہیں ہوتا۔ نیک نیتی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن تفرقہ نہیں۔ تفرقے کا سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے جو قرآن نے "بَغْيًا بَيْنَهُمْ" کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک دوسرے پر تعدّی اور بالادستی۔ جدید ماہرینِ نفسیات میں سے ایڈلر نے اسے "حبِّ تفوّق" (Urge to dominate) سے تعبیر کیا ہے۔

اس آیت کے آخری حصے میں ایک بڑی عظیم اور تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس تفرقے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ فرمایا :

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○

"اور ان کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے' وہ اس کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہیں"۔

یعنی جب دینی راہنماؤں کے مابین تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے تو اگلی نسلوں میں خود کتاب اللہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور یہی حال آج ہماری نئی نسل کا ہے جو کہتی ہے کہ یہ مولوی تو آپس میں لڑتے رہتے ہیں' ہم کس کی سنیں؟ خواہ یہ بدنیتی سے کہا ہوا جملہ ہی کیوں نہ ہو' لیکن بہرحال جملہ تو ایسا ہے کہ جس پر خاموش رہنے اور گردن جھکانے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے! یہ سب در اصل تفرقے کا ہی نتیجہ ہے۔ ایک نسل کو اللہ کے نبی سے کتاب منتقل ہوئی جو اگلی نسل کو منتقل ہو رہی ہے۔ لیکن اب جو اس کے وارث بنے ہیں وہ اس تفرقے کی وجہ سے اس کتاب ہی کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تکمیلِ رسالت کاتقاضا : "تکمیلِ دین"

اگلی آیت (نمبر۱۵) کاحوالہ بعد میں آئے گا کہ اس صورت حال میں طرز عمل کیاہونا چاہئے۔ سرِدست ایک اور اہم حقیقت کی طرف توجہ فرمائیے! بہتر ہوگا کہ پہلے ہم ایک اصولی بات سمجھ لیں جس کا براہ راست تعلق ہمارے آج کے موضوع کے ساتھ ہے۔ انبیاء کرام کے ضمن میں تو میں نے آپ کے سامنے عرض کردیا کہ دین اور شریعتوں کے مابین کیا نسبت و تناسب ہے' ان کی کیا اہمیت ہے اور اپنی اپنی جگہ پر ان دونوں کا کیا مقام ہے' یعنی دین ایک ہے اور شریعتیں جدا جدا۔ نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا خاتمہ ہوا اور رسالت کی تکمیل ہوئی۔ اب ان دونوں چیزوں کے علیحدہ علیحدہ تقاضے ہیں۔ ہمارے ہاں ختم نبوت پر تو گفتگو بہت ہوتی ہے لیکن تکمیلِ رسالت پر بہت کم ہوتی ہے۔ ان موضوعات پر میری تقریروں کے کیسٹ موجود ہیں' اِس وقت صرف حوالہ دے کر گزر رہا ہوں۔ آنحضور ﷺ پر صرف نبوت ختم ہی نہیں ہوئی' بلکہ اس کی تکمیل ہوئی ہے اور آپ ﷺ کی فضیلت کی بنیاد تکمیلِ نبوت و رسالت ہے۔ محض ختمِ نبوت تو درحقیقت فضیلت کی کوئی بنیاد نہیں بنتی۔ اس کی دستوری اور قانونی حیثیت تو مسلم ہے کہ آنحضور ﷺ کے بعد جس کسی نے نبوت یا رسالت کا دعویٰ کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اسی طرح جس کسی نے ایسے شخص کی تصدیق کی وہ بھی اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی اصل بنیاد تکمیلِ نبوت و رسالت ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا" کے مطابق اسلام اب مکمل ہوچکا اور اس اسلام کے بارے میں سورۂ آل عمران میں دو جگہ دوٹوک انداز میں فرمادیا گیا :

(۱) اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (آیت ۱۹)

"یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک بس اسلام ہی ہے"۔

(۲) وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ (آیت ۸۵)

"اور جس نے اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرلیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا"۔

یعنی محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر اس سلسلے کا خاتمہ ہو گیا اور اب ہمیشہ کے لئے "کتاب و سنت" کا تعین ہو گیا۔ اللہ کی کتاب اب ہمیشہ کے لئے قرآن ہے اور سنتِ رسولؐ یا اطاعتِ رسولؐ کا مصداق ہمیشہ کے لئے سنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا اطاعتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

تفرقے کی بنیاد: عقیدۂ ختم نبوت سے انحراف

اور یہ سمجھ لیجئے کہ اب اس میں اگر تفرقہ ہو گا تو صرف عقیدۂ ختم نبوت سے انحراف کرنے یا بالفاظِ دیگر نبوت کی مہر توڑنے سے ہو گا۔ اگر آپ کتاب و سنت کے پابند ہیں تو تفرقہ ممکن نہیں۔ اب تفرقہ صرف مہرِ نبوت توڑنے سے ہی ہو گا' جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کی طرف سے اس تفرقہ کا مظاہرہ ہوا' خواہ وہ بہائی ہوں' قادیانی ہوں یا کوئی اور ہوں' وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ باقی جو لوگ کتاب اور سنت پر قائم رہیں ان میں تفرقے کا امکان نہیں ہے۔ ان کے مابین اختلاف ہو سکتا ہے اور یہ اختلاف ہی ہے جو امت میں چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ کتاب و سنت سے استنباط و استدلال کا معاملہ ہو' نئے مسائل پر اجتہاد کرنا ہو' کتاب و سنت سے استنباط و استخراج کے اصول بنانے ہوں' جن کا نام اصول فقہ ہے' ان میں تھوڑے بہت فرق و تفاوت کا ہو جانا عین ممکن ہے۔ طریق استنباط میں کچھ فرق و تفاوت ہو جائے گا' پھر اس میں ترجیح یعنی راجح اور مرجوح کا کچھ فرق و تفاوت ہو سکتا ہے' اس وجہ سے اختلاف تو یقیناً ہو گا۔ لیکن جب تک کتاب و سنت دونوں اپنی جگہ پر قائم ہیں تفرقہ نہیں ہو گا۔ تفرقہ کی بنیاد صرف مہرِ ختمِ نبوت کو توڑ دینا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک اِس امت میں' چودہ سو برس میں' تکفیر پر اگر اجماع ہوا ہے تو صرف ان لوگوں کی جنہوں نے کسی نئی نبوت کا دعویٰ کیا۔ امت کی تاریخ میں معمولی نہیں' بہت بڑے بڑے اختلافات ہوئے ہیں' لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی تکفیر نہیں ہوئی۔ جس قدر "Tolerance" (برداشت) اسلام کی تاریخ میں رہی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ عیسائیت کی تاریخ پڑھئے کہ ان کے فرقوں کے درمیان اتنا کشت

وخون ہوا ہے کہ اس پر ان کی اپنی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے اختلافات کو absorb کیا ہے۔ اس ضمن میں اس کے اندر inbuilt mechanism موجود ہے اور بڑے مؤثر shock-absorbers بھی ہیں۔ اس میں اختلافات کے لئے کھلی گنجائش ہے۔ الفاظِ قرآنی "لَایَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ..... وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ" کی بہترین مثال اسلام کی تاریخ میں سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعبیرات، استنباطات، استدلالات اور ان کے اصول کے اندر جو بھی فرق و تفاوت ہوا اسی سے حنفیت، شافعیت، مالکیت، حنبلیت، ظاہریت اور سلفیت وجود میں آگئیں۔ یہ اہل سنت کے مختلف مسالک ہیں، جن کے مابین اگر کوئی اختلاف ہو سکتا ہے تو وہ صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ میں ابھی اہل تشیع کا ذکر اس لئے نہیں کر رہا کہ وہاں ایک معاملے میں آکر مزید فرق واقع ہو جاتا ہے۔ ابھی آپ صرف یہ سمجھ لیجئے کہ اہل سنت کے مختلف مکاتب فقہ جنہیں مسالک یا مذاہب کہا جاتا ہے یہ سب کے سب کتاب و سنت پر جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سب کے لئے سنت کا ماخذ (source) ایک ہی ہے، ان کی کتبِ حدیث ایک ہی ہیں، جس میں بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب نمایاں ہیں۔ ان کا استدلال ہوگا تو وہیں سے ہوگا۔ گویا ان کا "frame of reference" ایک ہی ہے۔ اس اعتبار سے ان کے مابین جو بھی اختلافات ہیں وہ فروعی ہیں، اصولی نہیں۔ اگرچہ پاکستان میں حنفی اور اہل حدیث کے مابین بھی کافی چپقلش پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ شافعی، مالکی اور حنبلی تو یہاں پر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ غالب اکثریت احناف کی ہے، لیکن سلفی یا اہلحدیث حضرات اقلیت میں ہونے کے باوجود خاصے فعال ہیں اور چونکہ کئی بیرونی حکومتیں ان کی مددگار اور پشت پناہ ہیں، اس لئے ان کی حیثیت اپنے اصل سائز سے زیادہ بڑی ہو گئی ہے۔ بہرحال جہاں تک میرا اپنا موقف ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان بھی قطعاً کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ جو بھی ماخذِ سُنّت ہے وہ ان دونوں کا مشترک ہے۔

تفرِقہ سے بچنے کا قرآنی لائحہ عمل

اس اعتبار سے میں یہاں پر محولہ بالا تین آیتوں میں سے آخری آیت (الشوریٰ : ۱۵) کا حوالہ دے رہا ہوں جن میں صحیح لائحہ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے :

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

"پس (اے نبیؐ) اسی کی دعوت دیتے رہئے اور ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا' اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجئے"۔

یعنی تمہیں اس کی دعوت دیئے چلے جانا ہے کہ دین کو قائم کرو۔ "ذٰلِكَ" کا اشارہ "أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ" کی طرف ہے' یعنی "دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو!"

وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ

"اور کہہ دیجئے کہ میرا ایمان تو اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نازل کی ہے"۔

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ

"اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں"۔

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ

"اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے"۔

آپس میں اختلافات کے حل کے لئے یہاں بہترین فارمولا دیا جا رہا ہے۔ اگر کوئی حنفی' شافعی یا مالکی فقہ میں کوئی اختلاف ہے تو کیا ہوا۔ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ہمارا اور تمہارا رب ایک ہے یا نہیں؟

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ

"ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال"۔

نماز میں رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا' ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنی ہے یا باندھ کر' ان معاملات میں کیوں جھگڑا کرتے ہو؟

لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

"اس میں ہمارے تمہارے مابین کسی حجت بازی کی ضرورت نہیں"۔

اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ O

"اللہ ہی ہمارے مابین جمعیت پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔

اللہ کرے کہ وہ جمعیت اسی دنیا میں پیدا ہو جائے' وہ اتحاد اور اتفاق ہو جائے' اور اگر یہ چیز نہیں ہو گی تب بھی اللہ کے حضور جا کر تو کھڑے ہونا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ' پانی کا پانی جدا ہو جائے گا۔

شیعہ سُنّی مفاہمت کی اساس

اب میں اس سے آگے بڑھ رہا ہوں کہ اہلِ تشیع کے ساتھ معاملے میں اس سے ذرا مختلف صورت کیا ہے۔ جہاں تک "کتابُ اللّٰہ" کا تعلق ہے تو اگرچہ اہل سنت کو اہلِ تشیع کے بارے میں یہ شکوک و شبہات ہیں کہ وہ قرآن کو بھی صحیح نہیں مانتے' ان کی بعض کتابوں سے اس کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں اور مولانا محمد منظور نعمانی نے اسی موضوع پر بڑی مفصل کتاب لکھی ہے' لیکن اہل تشیع کا عمومی موقف یہ ہے کہ نہیں' ہم اسی کتاب کو برحق مانتے ہیں۔ اور ہمیں ظاہر بات ہے کہ ان کا وہی موقف درست تسلیم کرنا چاہئے جو ان کی زبان سے ادا ہو رہا ہے۔ چنانچہ "کتاب" ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ان کے ہاں شاید کچھ غالی حضرات ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اصل قرآن وہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرتب کیا تھا' جو دراصل ترتیب نزولی کے اعتبار سے تھا۔ ہمارے ہاں بھی اس کی روایات موجود ہیں۔ میرے نزدیک حضرت علیؓ کا یہ کام محض ایک علمی دلچسپی کے طور پر تھا۔ بہت سے علماء نے بھی ایسی کوششیں کی ہیں کہ قرآن کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے۔ ایک زمانے میں خود میں بھی یہ کوشش کرتا رہا ہوں۔ یہ ایک علمی اور اکیڈمک ایکسرسائز ہے کہ معلوم ہو کہ پہلے کون سی آیات نازل ہوئیں' ان کے بعد کونسی آیات اور کون سی سورتیں اتریں اور پھر ان کے بعد کونسی۔ بعض انگریزی تراجم بھی اس طور سے شائع ہوئے ہیں کہ وہ مصحف کی ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ اس ترتیب سے ہیں جو ان کے مترجمین کے خیال میں نزولی ترتیب ہے۔ ویسے یہ چیزیں متفق علیہ نہیں ہیں بلکہ ان

میں اختلافات ہیں۔ بہرحال حضرت علیؓ کے بارے میں یہ خیال موجود ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا' جو ایک علمی بات تھی۔ لیکن جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصل قرآن یہی تھا ان کے عقیدے کے مطابق وہ اصل قرآن اب دنیا میں کہیں نہیں ہے اور اس کا نسخہ صرف ان کے امام غائب کے پاس ہے جو روپوش ہیں' اور وہ جب ظاہر ہوں گے تو اسے لے کر آئیں گے۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کے پاس بھی اس قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ اور وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اُس وقت تک یہی مصحفِ عثمانؓ ہی قرآن ہے۔ تو ہمیں انہی کے موقف پر بات طے کرنی چاہئے' باقی غالی قسم کے واعظین جو باتیں کہتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے پر تکفیر کے تیر چلاتے رہتے ہیں ان کو نظرانداز کرنا چاہئے۔ یہ چیزیں غالی واعظین اور مذہبی پیشہ ور قسم کے لوگوں کے اندر ہوتی ہی ہیں۔ اہلِ تشیع کا مستند موقف بہرحال یہی ہے کہ ہم اسی قرآن کو تسلیم کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتب کردہ قرآن بھی اگر کہیں دنیا میں پھر ظاہر ہوا تو وہ بھی' سوائے ترتیبِ نزولی کے' بعینہٖ یہی قرآن ہوگا' اس میں کسی آیت کی کمی بیشی ہرگز نہیں ہوگی۔ میں عرض کرچکا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم پر تدبر کی غرض سے اس کی آیات کو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مرتب کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ترتیبِ نزولی اگرچہ آج ہمیں صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن ان کے علم میں تو تھی' ان کی آنکھوں کے سامنے پورا قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ اگر انہوں نے اس اعتبار سے کوئی نسخہ مرتب کیا ہو اور اگر کبھی وہ ظاہر بھی ہوگیا تو ہمیں بھی قرآن کی صحیح ترتیب نزولی معلوم ہو جائے گی' لیکن یہ ایک محض علمی یا نظری بات ہے اور بالفعل چونکہ وہ بھی اسی کو قرآن مانتے ہیں' لہٰذا یہ ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔

البتہ جہاں تک حدیث کا معاملہ ہے ان کے اپنے مجموعے ہیں' لہٰذا یہاں آکر فرق واقع ہو جاتا ہے اور اختلاف گہرا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی تفرقہ نہیں ہے' کیونکہ تفرقہ تو تب ہوگا جب سنت کا انکار کیا جائے اور رسول ﷺ کی نبوت کی مہر کو توڑا جائے۔ البتہ یہاں اختلاف نسبتاً زیادہ گہرا ہے اس اختلاف کی نسبت جو حنفیوں اور شافعیوں یا مالکیہ اور حنابلہ کے مابین ہے یا اہلحدیث اور احناف کے مابین ہے۔ اس لئے کہ جب کسی مسئلہ پر

گفتگو ہو گی اور استدلال کا معاملہ ہو گا تو دونوں جانب سے حدیثیں پیش کی جائیں گی' تو جو حدیثیں شیعہ پیش کریں گے وہ اہل سنت کے نزدیک معتبر نہیں ہوں گی اور جو حدیثیں اہل سنت کے نزدیک معتبر اور معتمد علیہ ہیں وہ اہل تشیع کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ لہٰذا صرف اس درجے میں یہاں اختلاف گہرا ہے' تفرقہ پھر بھی نہیں ہے۔ اس حوالے سے' جیساکہ میں نے عرض کیا' دین پھر بھی ایک رہا۔ اس لئے کہ دین نام ہے اللہ کی حاکمیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا۔

اس حوالے سے آج ہمیں وہی بات شیعوں اور سنیوں سے کہنی چاہئے جو قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرائے میں یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔ یہ سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۰ ہے' جو پہلے پارے کی آخری سے پہلی آیت ہے :

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۚ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۔

"(تم جو یہودیت اور نصرانیت لئے پھرتے ہو تو) کیا تمہارا یہ قول ہے کہ ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور ان کی اولاد یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ (اے نبیؐ) کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے؟"

بالکل اسی حوالے سے سمجھئے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" شیعہ تھے یا سنی تھے؟ ابوبکرؓ سنی تھے یا شیعہ؟ علیؓ شیعہ تھے یا سنی تھے؟ توحید اور رسالت پر جمع ہو کر یہ سارے تفرقے ختم کئے جاسکتے ہیں۔ اس ایک بات میں سارے اختلافات کا حل ہے۔ یہی بات آگے چل کر سورۂ آل عمران میں فرمائی گئی :

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (آیت ۶۷)

"(دیکھو' ہوش کے ناخن لو) ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ وہ تو یکسو تھے' اللہ کے اطاعت گزار (حاکمیتِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے والے) اور وہ مشرک نہیں تھے"۔

مشرک تو وہ ہے جو اللہ کی اطاعت سے سرتابی کر رہا ہے' جس نے کسی اور کو الٰہ بنالیا ہے' جو اللہ کی حاکمیت سے انحراف کر رہا ہے' خود حاکم بنا بیٹھا ہے یا اللہ کے سوا کسی اور کو حاکم مانے

ہوئے ہے۔ اللہ کی حاکمیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا اصول اگر تسلیم کیا جائے اب تفرقہ نہیں رہا' اختلاف ہے۔ البتہ اختلاف اہل سنت کے مختلف مسالک اور مذاہب کے درمیان نسبتاً کم ہے اور اہل تشیع کے ساتھ اہل سنت کا اختلاف نسبتاً گہرا ہے۔

مسئلے کی اہمیت۔ چار پہلو

سوال یہ ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ مجھے اس کا حل بھی پیش کرنا ہے' لیکن اس سے پہلے میں اس مسئلہ کی اہمیت آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں اور اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ اس کی اہمیت کے چار پہلو یا ابعاد (dimensions) ہیں یہ لفظ میں خاص طور پر "4-dimensional space" یعنی "ابعادِ اربعہ" کے تصور کے اعتبار سے استعمال کر رہا ہوں۔ اس کے تین ابعاد تو سب کو نظر آتے ہیں' لیکن چوتھا غیر مرئی (invisible) ہے۔ یہ فزکس کا مسئلہ ہے۔ ایک کمرے کی تین dimensions تو اس کی اونچائی لمبائی اور چوڑائی ہیں۔ یہ تینوں ابعاد جہاں ملتے ہیں (ایک کونے پر) وہاں ان کو represent کرنے والے تینوں خطوط ایک دوسرے پر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔ آئن سٹائن کے نظریئے کے بعد سائنس کی دنیا میں یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ

"Time is also the 4th dimension of the space"

چنانچہ وقت کو مکان (space) کے ایسے بُعدِ رابع (4th dimension) کی حیثیت حاصل ہے جو نظر نہیں آتا اور نہ صرف نظر نہیں آتا بلکہ قابل تصور (imaginable) بھی نہیں ہے۔ لیکن علمِ ریاضیات یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ dimension موجود ہے اور یہ ایک ایسے خطِ مستقیم سے represent کی جاتی ہے جو ان تینوں کے ساتھ زاویہ قائمہ بناتا ہے' جو ظاہر ہے کہ ہمارے تصور کے اعتبار سے ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں خطوط کے ساتھ چوتھا خط ان میں سے دو کے ساتھ ۹۰ کا زاویہ بنائے گا تو تیسرے کے ساتھ ۱۸۰ کا زاویہ بنائے گا' لیکن "ہرچند کہیں کہ ہے' نہیں ہے" کے بجائے کہنا پڑے گا کہ "ہرچند کہیں کہ نہیں ہے' ہے!"۔ یہ ہے ریاضیات کا ایک جدید مسئلہ جس کا میں نے صرف حوالہ دیا ہے کہ "ابعادِ اربعہ" میں سے تین مرئی اور ایک غیر مرئی ہے۔ میرے نزدیک اس مسئلہ کی چوتھی

dimension اصل اہمیت کی حامل ہے لیکن اس کے بارے میں بعد میں بات کی جائے گی۔ پہلے میں اس مسئلہ کے "ابعادِ ثلاثہ" (3-dimensions) بیان کرتا ہوں :

۱۔ دہشت گردی اور تخریب کاری کی کمین گاہ

اس مسئلہ کی اہمیت کا بُعدِ اول یا اس کی پہلی جہت یہ ہے کہ اِس وقت ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری نے شیعہ سُنّی اختلاف کو ایک اہم کمین گاہ اور ڈھال (cover) کے طور پر استعمال کیا ہے اور میں صاف صاف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ داخلی نہیں ہے بلکہ اس کے ڈانڈے باہر ہیں۔ شاید آج یا کل کے اخبار میں برطانیہ سے یہ خبر تھی کہ وہاں سے کافی عرصے سے عالم اسلام میں مبلغین بھیجے جا رہے ہیں تاکہ شیعہ سنی اختلافات کو ابھارا جا سکے اور یہ میں آپ کو اسی مقام پر امریکہ جانے سے پہلے بتا چکا تھا کہ Samuel P. Huntington جو اس وقت امریکہ کا بہت بڑا سیاسی مبصر اور مشیر ہے' اس کے ایک بہت بڑے مقالے "Clash of Civilizations" کا اِس وقت دنیا میں بڑا چرچا ہے۔ اس کے نزدیک اب دنیا میں قوموں اور ملکوں کا ٹکراؤ نہیں ہو گا بلکہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو گا۔ اس نے لکھا ہے کہ اس وقت دنیا میں آٹھ تہذیبیں موجود ہیں' ایک ہماری مغربی تہذیب اور سات دوسری۔ لیکن ان سات میں سے پانچ کو تو ہم آسانی سے اپنے اندر سمو سکتے ہیں اور انہیں ہضم کر سکتے ہیں' لیکن دو تہذیبیں ایسی ہیں کہ وہ ہمارے لئے لوہے کے چنے ثابت ہوں گی جنہیں چبانا آسان نہیں۔ ایک مسلم تہذیب اور دوسری کنفیوشین تہذیب جس کی نمائندگی اس وقت چین کر رہا ہے۔ لہٰذا اس نے دو مشورے دیئے ہیں ---- ایک یہ کہ چین اور اسلامی ملکوں کو قریب نہ آنے دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا پیسیفک (بحرالکاہل) کانفرنس منعقد کی گئی تاکہ چین کو eastward looking کر دیا جائے کہ وہ صرف اپنے مشرق کی طرف دیکھے اور مغرب کی طرف رخ ہی نہ کرے جہاں عالم اسلام ہے۔ اور دوسرا مشورہ اس نے یہ دیا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ایک اعتبار سے یہ ان لوگوں کی جرات اور دیانت کا مظہر بھی ہے کہ بات صاف اور کھل کر کر رہے ہیں' اپنے تاش کے سارے پتے سامنے رکھ دیئے ہیں کہ تمہارے اندر

اگر ہمت ہے تو راستہ روک لو! چنانچہ یہ اس کا مقالہ ہے جو چھپا ہوا ہے۔ اور اب سوچئے کہ ان خطوط پر کیا کچھ ہو رہا ہو گا۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں دہشت گردی اور تخریب کاری کے ذریعہ شیعہ سنی اختلاف کو ہوا دینے کا معاملہ اس مسئلے کا بہت بڑا پہلو ہے۔ اور میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی نوعیت محض اندرونی نہیں ہے' بلکہ اس کے بیرونی ڈانڈے ہیں جو بہت اہم ہیں۔

خاص طور پر جہاں تک کراچی کا تعلق ہے وہاں اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے ایم کیو ایم کے دو دھڑوں (الطاف گروپ اور حقیقی گروپ) کا آپس میں تصادم۔ شیعہ سنی اختلاف کے علاوہ یہ دوسرا پہلو ہے جس کی آڑ میں تخریب کاری ہو رہی ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ نہ کچھ تصادم فی الواقع بھی ہے' جس طرح شیعہ سنی چپقلش بھی کچھ نہ کچھ فی الواقع بھی موجود ہے' اس کی نفی کون کرے گا۔ بہرحال کوئی شے موجود ہوتی ہے تو اسی کو دشمن آڑ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے' اگر کوئی شے موجود ہی نہ ہو تو اسے آڑ یا ڈھال کیسے بنایا جا سکتا ہے۔

کچھ تو ہوتے بھی ہیں الفت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

چنانچہ کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہے' تبھی بات بنتی ہے۔ اسی طرح حقیقی اور الطاف گروپ کے اختلاف کا معاملہ ہے۔

بہرحال اگر کسی درجے میں شیعہ سُنّی مفاہمت کا کچھ معاملہ ہو جائے تو دشمن کی کم از کم ایک کمین گاہ تو ختم ہو جائے گی۔

آپ جانتے ہوں گے کہ جب سلطان محمد فاتح کی فوجیں قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے کھڑی تھیں تو ایا صوفیہ کے گرجا میں پادری آپس میں لڑ رہے تھے اور ان کے مابین ان مسائل پر بحث ہو رہی تھی کہ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آ سکتے ہیں اور حضرت عیسیٰ ؑ نے جو روٹی کھائی تھی وہ خمیری تھی یا فطیری؟ اور یہ کہ حضرت مریم' حضرت عیسیٰ ؑ کی ولادت کے بعد بھی کنواری رہیں یا نہیں؟ یہ تین "عظیم الشان" مسائل تھے جو اندر زیر بحث تھے اور باہر سلطان محمد فاتح کی فوجیں کھڑی تھیں۔ اور یہی حشر ہمارا ہوا تھا' جب انگریز ہندوستان

میں قدم بقدم آگے بڑھ رہا تھا تو ہمارے ہاں یہ بحثیں چل رہی تھیں کہ اللہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر نہیں بول سکتا تو ہر شے پر قادر تو نہ ہوا اور اگر بول سکتا ہے تو یہ اس کی شان کے منافی ہے۔ پھر یہ کہ اللہ خود بھی کوئی دوسرا محمدؐ پیدا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اُس وقت مسلمانوں کے چوٹی کے علماء "امکانِ کذب" اور "امتناعِ نظیر" کی ان بحثوں میں الجھے ہوئے تھے اور انگریز بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ وہی حال آج ہمارا ہو رہا ہے کہ فرقوں کو لئے بیٹھے رہو' اپنی انانیت کو لئے بیٹھے رہو لیکن ملک ٹوٹتا ہے تو ٹوٹنے دو!

۲۔ نفاذِ اسلام کی راہ کی ایک اہم رکاوٹ

دوسرا پہلو (2nd Dimension) یہ کہ جو کچھ آج پاکستان کے اندر ہو رہا ہے اس کا فائنل تجزیہ جو میں بارہا آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں' اسے اختصار کے ساتھ پھر بیان کر رہا ہوں۔ پاکستان کے لئے صرف استحکام کی واحد بنیاد ہی نہیں بلکہ اس کی بقا کی وجہِ جواز بھی اسلام ہے۔ اگر یہاں اسلام نہیں آتا تو اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اور یہاں یہ سب کچھ افراتفری' لوٹ کھسوٹ' بدامنی اور عدم استحکام اسی لئے ہے کہ ہم نے اس کی اس واحد وجہ جواز ہی کو مشکوک بنا دیا ہے۔ نتیجتاً یہ عذاب الٰہی کے کوڑے ہیں جو ہماری پیٹھ پر پڑتے ہیں۔ قمری حساب سے قیام پاکستان کو ۲۵ برس پورے ہونے پر ۱۹۷۱ء میں ہم پر پہلا کوڑا برسا جب ملک دولخت ہوا۔ اور اب دوسرے ۲۵ برس ہونے میں صرف ایک برس باقی رہ گیا ہے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے بلی تو غائب نہیں ہو جائے گی۔۔۔۔ اور اس ساری پیچیدگی کا واحد حل یہی ہے کہ یہاں اسلام آئے۔

یہاں اسلام اب تک کیوں نہیں آیا' اس کے دو بڑے بڑے سبب ہیں۔ ان میں سے ایک سبب جو میں بارہا بیان بھی کر چکا ہوں وہ دینی جماعتوں کی یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ انتخابی سیاست کے اکھاڑے میں اتر کر پاور پالیٹکس کے کھیل میں شریک ہو گئیں' انہیں اقتدار کی غلام گردشوں کے اندر چلنے پھرنے اور وی آئی پی ٹریٹمنٹ کے چسکے پڑ گئے اور یہی شے تھی جو بیڑہ غرق کرنے والی تھی۔ اس وقت میں اس کی مزید کوئی تفصیل بیان نہیں کروں گا' یہ میرا وہ موقف ہے جو میں بارہا تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اس کا

دوسرا سبب شیعہ سنی اختلاف ہے جو واقعتاً بہت بڑا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی نوعیت حنفی' مالکی' شافعی والے اختلاف کی نہیں ہے' کیونکہ شیعہ اور سُنّی کے نزدیک سُنّتِ رسول کے مآخذ جدا جدا ہیں' جبکہ دین کی عملی شکل تو سُنّت ہی سے سامنے آتی ہے ع "بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!"

تو یہ اس مسئلہ کی دوسری dimension (جہت) ہے۔ چنانچہ اگر ہم شیعہ سُنّی مفاہمت کی کوئی راہ تلاش کرلیں تو اس سے ایک تو اس ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی ایک اہم کمین گاہ ختم ہوسکتی ہے اور پورے ملک کی سطح پر اہم ترین کمین گاہ یہی ہے' البتہ کراچی میں ایک دوسری کمین گاہ بھی ہے جس کا تذکرہ میں کرچکا ہوں۔ اللہ کرے کہ ہمارے سیاست دانوں کو عقل آجائے' ان لوگوں کو سمجھ آجائے جن کے ہاتھوں میں "تقدیرِ حنا" ٹھہری ہے۔

رنگِ گل کا ہے سلیقہ' نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں کو صحیح راستے کی طرف پھیر دے اور انہیں اپنی سیاسی مصلحتوں سے بالاتر ہوکر اس ملک کی سالمیت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمت عطا کر دے۔ بہرحال شیعہ سنی مفاہمت کا معاملہ بھی اس سے کم اہم نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر یہاں کوئی شیعہ سنی اتحاد ہوجائے' مفاہمت کی کوئی صورت بن جائے تو اس ملک میں اسلام کے نفاذ کی طرف یہ ایک بہت بڑا Break through ہوگا اور اس سے اتنی بڑی پیش رفت ہوگی کہ پھر اس سمت میں آگے چلنا بہت آسان ہوگا۔

۳۔ نیو ورلڈ آرڈر کی یلغار

اب میں اس مسئلہ کے تیسرے پہلو (3rd dimension) کی طرف آتا ہوں۔ اس کو بھی میں بڑی تفصیل سے تحریر و تقریر میں بیان کرچکا ہوں اور اس موضوع پر میری کتاب بھی "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" کے نام سے منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ یہ تیسرا پہلو نیو ورلڈ آرڈر کی یلغار سے متعلق ہے۔ اس یلغار کا انداز بھی

ہمارے سامنے آچکا ہے کہ یہ نیو ورلڈ آرڈر حقیقت میں جیو ورلڈ آرڈر ہے۔

چنانچہ حال ہی میں کراچی کی ایک اہم سیاسی شخصیت نے یہاں آکر جو باتیں کہیں وہ میرے علم میں کل کے روزنامہ پاکستان سے آئی ہیں۔ میں تو یہاں تھا نہیں' انہوں نے یہاں ایک تقریب میں آکر یہ باتیں کی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہودی سازش میں یہ چیز طے پا چکی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کے ٹکڑے کردیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ "نزلہ بر عضوِ ضعیف" کے مصداق پہلے پاکستان کی باری ہے۔ ہم نے خود اس کے لئے میدان تیار کر رکھے ہیں کہ آؤ کھیلو اور کودو! میرے علم میں یہ بات پہلے سے ہے اور بہت سے لوگوں کے ذریعے یہ بات سامنے آچکی ہے' لیکن میں یہ باتیں اس لئے بیان نہیں کرتا کہ میرے نزدیک ان کی حیثیت غیر مصدّقہ اور سنی سنائی باتوں کی تھی۔ اب ایک اہم سیاست دان نے یہ بات کہی ہے تو میں اس کے حوالے سے اسے بیان کر رہا ہوں' بلکہ میں تو اس سے بھی آگے عرض کرتا ہوں کہ یہودیوں کے سامنے امریکہ کے بھی حصے بخرے کرنے کا پروگرام ہے اور وہ اس کے ٹکڑے کر کے رہیں گے۔ وہ اس کو اُس وقت تک استعمال کرتے رہیں گے جب تک وہ استعمال ہوتا رہا' اور کسی وقت بھی اگر امریکہ نے ان کی سکیم کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی تو جس طرح انہوں نے چشمِ زدن میں USSR کو دنیا میں نسیاً منسیّا کر دیا' اسی طرح وہ USA کے بھی ٹکڑے کردیں گے' اس لئے کہ پوری معیشت کے لیور پر ان کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا ان کی طرف سے ایک حرکت ہوگی' شیئر مارکیٹ کے اندر ایک زلزلہ آئے گا اور امریکہ کی دھجیاں بکھر جائیں گی۔ امریکہ سے زیادہ کمزور (Fragile) معیشت تو دنیا کے کسی دوسرے ملک کی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مقروض حکومت امریکہ کی ہے اور اس کے قرض خواہ یہودی بینکار ہیں۔ اور وہاں کے بینک حکومت کی تحویل میں یا حکومت کے زیرِ اثر نہیں ہیں بلکہ آزاد اور حکومت سے بالاتر ہیں' لہٰذا یہودی جب چاہیں امریکہ کو توڑ سکتے ہیں۔ تو اس "جیو ورلڈ آرڈر" کے بارے میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

کبھی مغرب سے ایک سیلاب نو آبادیاتی نظام کا آیا تھا' لیکن اس کا آغاز مشرقِ بعید سے ہوا تھا۔ چنانچہ یہ سیلاب پہلے جاوا' سماٹرا' انڈونیشیا' ملائشیا اور ہندوستان کو اپنی زد میں لے کر پھر شرقِ اوسط کی طرف گیا تھا۔ لیکن اِس وقت نیو ورلڈ آرڈر کا جو سیلاب آیا ہے اس نے

سب سے پہلے عالمِ عرب کو اپنے شکنجے میں کس لیا ہے' چنانچہ اب عالم عرب تو یہودیوں کی مٹھی میں ہے۔ اب تو وہاں پر ایک اکنامک بلاک بنے گا اور یورپ کی طرح کی ایک مشترکہ مارکیٹ وجود میں آئے گی' جس میں سرمایہ اور محنت عربوں کی جانب سے ہوگی اور تکنیکی مہارت (Know How)' انتظام و انصرام اور ٹیکنالوجی یہودیوں کی ہوگی۔ اس طرح ملائی یہودی کھائے گا اور تلچھٹ عربوں کے حصے میں آئے گی۔ یہودیوں کے پیش نظر یہی ہے کہ وہ صرف عالمی مالیاتی نظام قائم کر کے اپنی عالمی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے علاوہ دنیا کے تمام انسانوں کی حیثیت ڈھور ڈنگروں کی ہے' گھوڑوں اور گدھوں کی ہے' جن کا کام ان کی خاطر محنت اور کوشش کرنا ہے تا کہ ان کی کمائی کا بہترین حصہ انہیں حاصل ہوتا رہے۔ باقی جس طرح گھوڑے کو کام کے قابل رکھنے کے لئے دانہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے' اسی درجے میں ان لوگوں کو بھی کھانا تو فراہم کیا جائے' البتہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے سے اس عالمی مالیاتی نظام کی ساری ملائی ان کے پاس پہنچتی رہے۔ اللہ اللہ' خیر سلا۔ براہ راست اپنی حکومت قائم کر کے انہیں کیا لینا ہے؟

اس ضمن میں مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں کے درمیان اب صرف ایک اختلاف باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ مذہبی (Practicing) یہودی دریائے نیل سے دریائے فرات تک عظیم تر اسرائیل قائم کرنے پر مصر ہیں اور باقی پوری دنیا پر صرف معاشی اور مالیاتی تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں' جبکہ سیکولر یہودی (Zionists) انہیں کسی طریقے سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے! اپنی حکومت قائم کر کے یہی کچھ کرو گے نا کہ لگان لو گے' ٹیکس وصول کرو گے۔ اور اگر اس کے بغیر ہی تمہیں سب کچھ ملتا چلا جائے تو حکومت بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اجڈ' جاہل گنوار جن کے پاس تیل اور سرمایہ موجود ہے' ذہنی و فکری صلاحیتوں سے عاری ہیں' ان کے پاس علم ہے نہ ٹیکنالوجی' نہ انہیں تنظیمی و انتظامی امور کا کچھ سلیقہ حاصل ہے' جبکہ ہمارے پاس یہ سب کچھ ہے' چنانچہ محنت یہ لوگ کریں گے اور کھائیں گے ہم۔ تو یہ اختلاف ہے جو اس وقت یہودیوں کے مابین پایا جاتا ہے۔ اسرائیل میں یہودیوں کا جو طبقہ اقتدار پر قابض ہے وہ یہی

چاہتا ہے کہ دنیا پر ہمارا معاشی تسلط مضبوط تر ہو جائے اور ہم یہاں بیٹھے دنیا بھر کی معیشت کی ملائی کھاتے رہیں۔

اس نیو ورلڈ آرڈر یا جیو ورلڈ آرڈر کے آگے اب جو "آخری چٹان" باقی رہ گئی ہے وہ پاکستان' ایران' افغانستان اور چینی و روسی ترکستان پر مشتمل مسلمان ممالک کا یہ بلاک ہے۔ اگر نقشے پر دیکھیں تو ان ممالک کے عین قلب میں افغانستان واقع ہے' جس کے جنوب میں بلوچستان' مشرق میں پاکستان کا بقیہ حصہ' مغرب میں ایران اوز شمال میں ترکستان کے مختلف ممالک دستار کے طرے کی مانند نظر آتے ہیں۔ یہ وہ "آخری چٹان" ہے جو یہود کے اس نیو ورلڈ آرڈر کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد تو مسلمان ممالک میں سے بنگلہ دیش اور انڈونیشیا وغیرہ باقی رہ جاتے ہیں جو مشرق بعید سے متعلق ہیں' درمیان میں بھارت کا بہت بڑا رقبہ آجاتا ہے جہاں اگرچہ مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں لیکن وہ وہاں پر مقہور اور مجبور ہیں اور ان کی وہاں پر سیاسی سطح پر کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے اہم ترین حیثیت اسی بلاک کی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ اس بلاک میں شیعہ سنی تنازعہ سب مسائل سے زیادہ سخت اور گھمبیر ہے۔

ان تمام ممالک میں صرف ایک ملک ایران ایسا ہے جس نے اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت کی ہے اور اس مسئلے کا کوئی حل نکالا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے مذہبی تصورات و عقائد اور اپنی فقہ کے مطابق ایک مذہبی نظام قائم کیا ہے اور اس حوالے سے میں نے بارہا کہا ہے کہ ایران نے ہمیں روشنی دکھائی ہے' راہنمائی فراہم کی ہے' جبکہ پوری سُنّی دنیا "سُن" پڑی ہوئی ہے اور ہمیں کہیں بھی اپنا نظام قائم کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ایرانیوں نے انقلاب برپا کیا اور اپنی سرزمین سے امریکی استبداد کا سب سے مضبوط کھونٹا ایسے اکھاڑ پھینکا کہ شہنشاہ آریا مہر کو وہاں سے بھاگتے بنی اور یہ سب کچھ ایسے ہی نہیں ہوگیا بلکہ اس کے لئے خون دیا گیا' ہزاروں کی تعداد میں جانیں دی گئیں۔ اور ماننا پڑے گا کہ یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہمیں ایک اور بہت بڑی روشنی دکھائی ہے اور وہ یہ کہ آج مسلح بغاوت نہیں بلکہ غیر مسلح بغاوت سے کام چلے گا اور انہوں نے اس کی مثال قائم کر کے دکھائی ہے۔ میں نے "منہج انقلاب نبوی" میں اس کو ہمیشہ پیش کیا ہے کہ آج

انقلاب کا معاملہ مسلح بغاوت سے نہیں ہو گا' آج عوام نہتے ہیں جبکہ حکومتیں اپنے اپنے ہاں کے نظام کے بل بوتے پر قائم ہیں۔ کہیں جاگیرداری نظام کی حکومت ہے تو کہیں سرمایہ دارانہ نظام کی۔ اگر کہیں بادشاہت ہے تو بادشاہ کے پاس پوری طاقت اور اقتدار ہے۔ حکومتوں کے پاس فوجیں ہیں' ایئر فورس ہے' ٹینک اور ہوائی جہاز ہیں۔ ان کے مقابلے میں نہتے عوام بغاوت کر کے کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا آج مسلح بغاوت نہیں غیر مسلح بغاوت کی ضرورت ہے' جو ایرانیوں نے کر دکھائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایران نے شیعہ سنی مسئلے کا بھی حل کر کے دکھایا ہے' جو میں بعد میں عرض کروں گا۔ اس وقت آپ کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہوں کہ یہ مسئلہ ہمارے ہاں پورے خطے میں پیوست ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کے آٹھ گروپ پاکستان نواز تھے اور وہ سنی تھے' جبکہ سات گروپ ایران نواز تھے اور وہ شیعہ تھے۔ اور آج بھی وہاں یہ شیعہ سنی مسئلہ چل رہا ہے۔ پاکستان میں تو شیعہ سنی آبادی اس طرح گھلی ملی ہوئی ہے کہ ایک ہی مکان میں نیچے شیعہ رہتا ہے تو اوپر سنی' اور دائیں سنی ہے تو بائیں شیعہ ہے۔ اس حوالے سے' واقعہ یہ کہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے اور اگر اس مسئلہ کا کوئی حل نکل آتا ہے تو اس راستے کی ہماری یہ رکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔ اس طرح نفاذ اسلام کے بعد یہاں اتحاد کی فضا قائم ہو گی اور اگر یہ اتحاد اور مفاہمت ہو جائے تو یہی خطہ وہ چٹان ہے جس سے ٹکرا کر نیو ورلڈ آرڈر پسپا ہو سکتا ہے۔

اور ابھی تو یہ غنیمت جانئے کہ چین بھی ایک طاقت کی حیثیت سے موجود ہے' اگرچہ بدقسمتی سے ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بننے کی وجہ سے جدھر جا رہے ہیں' اس کے نتیجے میں چین کو دن بدن اپنے سے دور کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آخر کوئی وجہ تو ہے کہ چین اب پاکستان کی نسبت بھارت سے قریب تر ہو رہا ہے۔ اگر کہیں کشمیر اور شمالی علاقہ جات پر امریکہ یا یو۔ این۔ او کا عمل دخل قائم ہو جاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ چین کے ساتھ تو آپ کا تعلق منقطع ہو گیا' بلکہ پھر چین کے ساتھ آپ کی دشمنی ہو گی' کیونکہ پھر امریکہ یہاں سے پورے علاقے کو مانیٹر کرے گا اور چین پر بھی نگاہ رکھے گا۔ تو اس تیسری dimension کو اس حوالے سے بھی سمجھ لیجئے۔

بہرحال اگر شیعہ سُنّی مفاہمت ہو جائے تو :

i) ہم یہاں پر دہشت گردی کا ایک بازو توڑ سکتے ہیں۔

ii) پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا راستہ ہموار ہوتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد آسان ہوتی ہے۔

iii) اس خطے کے مسلم بلاک کے اندر اتحاد اور یگانگت عمل میں آسکتی ہے۔

پاکستان' افغانستان' ایران اور ترکستان پر مشتمل یہ بلاک بڑا سالڈ (Solid) بلاک ہے۔ (میں ترکی کو اس میں شامل نہیں کر رہا کیونکہ وہ تو تقریباً امریکہ کی جھولی ہی میں ہے اور اس کے امریکہ کا حلیف ہونے میں کوئی شک نہیں۔) اس خطے میں چینی ترکستان ابھی آزاد نہیں ہے' لیکن روسی ترکستان آزاد ہو چکا ہے جو ایک بہت بڑا علاقہ ہے اور اس کے پاس بڑے وسائل و ذرائع ہیں۔ اس پورے مسلم بلاک کے اندر اتحاد کی کوئی بنیاد ہونی چاہئے' اور ہمارے مابین اسلام کے سوا کوئی اور قدر مشترک ہے ہی نہیں' لیکن اس قدر مشترک میں بھی شیعہ سنی تنازعہ آڑے آجاتا ہے۔ یہ مسئلہ افغانستان میں بھی گڈمڈ ہے اور پاکستان میں بھی۔ اس پورے علاقے میں شیعہ سنی مسئلہ ایک نہایت اہم اور بنیادی مسئلے کی حیثیت سے موجود ہے۔ چنانچہ اگر اس مسئلے کو حل کر لیا جائے تو یہ مذکورہ بالا تین پہلوؤں پر مثبت انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہے۔

شیعہ سُنّی مسئلے کا واحد حل

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ میرے نزدیک اس کا حل وہی ہے جو ایران نے پیش کیا ہے اور اس میں وہ ہمیں روشنی فراہم کر چکا ہے۔ کاش کہ پاکستان میں اہل تشیع اس حل کو قبول کر لیں! وہ حل یہ ہے کہ جہاں تک عقائد' عبادات' مساجد' فیملی لاز اور وراثت کے قوانین وغیرہ کا تعلق ہے تو ان میں ہر ایک کو مکمل آزادی ہو کہ وہ اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ لیکن ملکی قوانین (Law of the Land) کے معاملے میں صرف اس فقہ کو نافذ کرنے کا اعلان کیا جائے جس کے ماننے والے اکثریت میں ہیں۔ عبادات میں' میں زکوٰۃ کو بھی شامل کر رہا ہوں۔ زکوٰۃ (معاذ اللہ) صرف کوئی ٹیکس نہیں ہے

بلکہ عبادت ہے۔ میں نے ۱۸/ اگست ۱۹۸۰ء کو علماء کنونشن سے قبل ضیاء الحق صاحب کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا زکوٰۃ آرڈیننس واپس لے لیں۔ مسلمان زکوٰۃ پہلے بھی ادا کر رہے تھے‘ پہلے مسلمان براہ راست دینی مدارس کو زکوٰۃ دیتے تھے۔ اب آپ نے ان سے وصول کر کے ان مدارس کو دینا شروع کر دیا۔ اس سے فائدہ کیا ہو؟ البتہ نقصان یہ ہوا ہے کہ آپ نے شیعہ سنی کی تفریق کر دی۔ میں نے ان سے کہا کہ چونکہ یہ عبادات کا معاملہ ہے لہٰذا خدا کے لئے اسے چھوڑ دیجئے۔ نماز کے معاملے میں آپ کسی سے یہ پابندی نہیں کروا سکتے کہ وہ ہاتھ باندھ کر پڑھے یا کھول کر‘ اور اگر باندھے تو ناف پر باندھے یا سینے پر‘ یا یہ کہ وہ رفع یدین کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح روزہ پانچ منٹ پہلے افطار کیا جائے یا بعد میں۔ عبادات کا معاملہ ہر ایک پر چھوڑ دیجئے کہ وہ جس طرح چاہے کرے‘ یہ ایک طرح کا انفرادی معاملہ ہے۔ لیکن جہاں تک ملکی قانون (Law of the Land) کا معاملہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک ملک میں دو نہیں ہو سکتے‘ حدود و تعزیرات سب کے لئے الگ الگ نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لئے ہمیں ایران سے راہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ وہاں یہ کیا گیا ہے کہ ایران کے دستور میں طے کر دیا گیا کہ ان معاملات میں اکثریت کی فقہ یعنی فقہ جعفری کے مطابق معاملہ ہو گا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی حل ہے بھی نہیں۔ یا تو یہ کہہ دیجئے کہ ہمیں اسلام کی طرف جانا ہی نہیں‘ دین کو اٹھا کر ایک طرف پھینک دو‘ ہمیں تو اپنی فقہ زیادہ پسند ہے ---- لیکن اگر دین کو اولیت حاصل ہے اور آپ "لَاتَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ" کے قرآنی حکم پر عمل پیرا ہونا چاہتے ہیں کہ دین ایک ہو تو پھر اپنی فقہوں اور اپنے مذاہب و مسالک کو ثانوی درجہ دیجئے۔ یہی کچھ انہوں نے کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا یہی حل ہے۔ چنانچہ پاکستان کے دستور میں یا تو یہ طے ہو جائے کہ یہاں فقہ حنفی کو ملکی قانون کی حیثیت حاصل ہو گی کیونکہ یہاں غالب اکثریت احناف کی ہے‘ تاہم اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ جو فقہ حنفی آج سے کئی سو سال پہلے مرتب کی گئی تھی وہ جوں کی توں نافذ کر دی جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب جو اجتہاد ہو گا اور جو قانون سازی ہو گی وہ فقہ حنفی کے اصول فقہ کے مطابق ہو گی۔ یعنی استنباط اور استدلال کے اصول وہی ہوں گے جو فقہ حنفی کے ہیں۔ اس موضوع پر بھی میں "مستقبل کی

اسلامی ریاست" اور "نظامِ خلافت کا سیاسی و دستوری ڈھانچہ" کے عنوان سے مفصل خطبات دے چکا ہوں جن کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ موجود ہیں۔ تو یہ نہ سمجھا جائے کہ فقہ حنفی جوں کی توں نافذ ہو جائے گی بلکہ آپ کی ایک نئی مقننہ (Legislative) ہو گی جسے ہر میدان میں اجتہاد کرنا ہو گا۔ طے یہ کرنا ہو گا کہ قانون سازی میں کتاب و سنت کی حدود سے تجاوز نہیں ہو گا۔ اگر تجاوز ہوتا ہے تو ہر عالمِ دین کو یہ حق حاصل ہونا چاہئے کہ وہ عدالتِ عالیہ کا دروازہ کھٹکھٹائے اور وہاں جا کر یہ ثابت کرے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے خلاف ہے ...... یا پھر ایسا ہو کہ یہاں پر کتاب و سنت کی سنی تعبیرات کو دستور میں ثبت کیا جائے اور فقہ جعفریہ کو عبادات میں بشمول زکوٰۃ مکمل آزادی دے دی جائے۔ اگر وہ خود مان جائیں کہ ہم زکوٰۃ کا کوئی ایسا اجتماعی نظام بناتے ہیں کہ حکومت ہی وصول کرے تو کیا کہنے ہیں، چشم ما روشن دلِ ماشاد! لیکن اگر وہ اس پر مصر رہیں کہ زکوٰۃ کا معاملہ ان کا پرسنل رہے گا تو بھی ٹھیک ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ میں عبادت کا عنصر زیادہ غالب ہے اور پرسنل لاء میں عبادات لازمی طور پر آتی ہیں۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، ان سب میں انہیں مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ پھر نکاح طلاق اور وراثت کے قوانین کے علاوہ پرسنل لاء میں جتنی چیزیں بھی آتی ہیں ان میں انہیں مکمل آزادی ہو۔

علماء کنونشن میں شرکت کی دعوت اور زکوٰۃ آرڈیننس

مرحوم ضیاء الحق صاحب نے ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کو پہلا علماء کنونشن منعقد کیا تھا، جس میں شرکت کا مجھے دعوت نامہ موصول ہوا، لیکن چونکہ اسی تاریخ کو مجھے کراچی سے نیویارک روانہ ہو جانا تھا، لہٰذا میں نے اس میں شرکت سے اپنی معذوری ظاہر کی۔ چند روز بعد ضیاء الحق صاحب کا فون آیا کہ اس سے دو روز قبل ۱۸/ اگست کو میں ایک اور میٹنگ بلا رہا ہوں جس میں ہم یہ طے کریں گے کہ اس علماء کنونشن کو کیسے conduct کیا جائے، آپ اس میں تو آ جائیں۔ چنانچہ میں اس میٹنگ میں شریک ہوا۔ اُس وقت تک وہ اسلام آباد والا واقعہ پیش آ چکا تھا کہ اہلِ تشیع نے سول سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر کے اپنے لئے زکوٰۃ کی کٹوتی سے استثناء حاصل کر لیا تھا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اہل تشیع نے اسلام آباد

میں قریباً ۵۰ ہزار کی تعداد میں جمع ہو کر سول سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کیا تھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ حکومت کو دینے کو تیار نہیں۔ اُس وقت حکومت کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک راستہ تشدد کا تھا' یعنی لاٹھی چارج' آنسو گیس اور گولی جیسے ذرائع استعمال کئے جاتے۔ لیکن ضیاء الحق صاحب نے اس وقت تحمل کا مظاہرہ کیا جو بلاشبہ بڑی بات تھی' انہیں سخت کڑوی گولی نگلنی پڑی تھی۔ اُس وقت وہ' بقول خود ان کے "مقتدرِ مطلق" (معاذاللہ) چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر تھے اور ان کا مارشل لاء بھی ابھی جوان تھا' لیکن انہوں نے اس گھیراؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تھے اور اہل تشیع کا مطالبہ منظور کر لیا تھا۔ ۱۸/اگست ۱۹۸۰ء کی میٹنگ میں مَیں نے ان سے عرض کیا تھا کہ خدا کے لئے آپ اپنا پورا آرڈیننس واپس لے لیجئے لیکن اس بنیاد پر شیعہ سنی کے درمیان تفریق نہ کیجئے۔ میں نے ان سے یہ الفاظ بھی کہے تھے (حالانکہ اس وقت کئی شیعہ حضرات موجود تھے) کہ اگر آپ یہ تفریق کریں گے تو گویا کہ بہت سے سنیوں کو شیعہ بننے کی ترغیب دیں گے۔ اور بعد میں ہمارے ہاں واقعتاً یہ ہوا ہے کہ پورے کے پورے گاؤں والوں نے اپنے ہاں سیاہ علم بلند کر دیئے تاکہ عُشر جمع کرنے والے ادھر کا رخ ہی نہ کریں۔ کتنے ہی لوگوں نے بینکوں کو لکھ کر دے دیا کہ وہ شیعہ ہیں تاکہ ان کی زکوٰۃ نہ کاٹی جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کیا کہ زکوٰۃ مسلمانوں کی عبادت ہے' اسے انہی پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسے خود ہی ادا کریں۔ اس بنیاد پر آپ شیعہ سنی کی تفریق نہ کریں۔ لیکن بہرحال وہ ماننے والے تو تھے نہیں۔ ان کی جو اپنی مصلحتیں اور اپنی ترجیحات تھیں میں ان کا ذکر نہیں چھیڑنا چاہتا۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ' لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۔ وہ اللہ کے حضور حاضر ہو گئے' اللہ انہیں معاف فرمائے۔

زکوٰۃ۔ مصلحتِ وقت کے تقاضے!

بہرحال قابل غور یہ مسئلہ ہے کہ اِس وقت ہم دنیا کے سامنے ایک آئیڈیل اسلامی ریاست کا جو نقشہ پیش کرنا چاہتے ہیں اس میں سوشل سیکیورٹی اور ہر شہری کی بنیادی کفالت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور اسلامی ریاست میں ویلفیئر کا جو نظام ہو گا اس کا سب سے بڑا ذریعہ زکوٰۃ ہی ہے۔ اور زکوٰۃ ایک طرف یقیناً عبادت ہے' ارکانِ اسلام میں شامل ہے

تو دوسری طرف یہ اسلام کے معاشی نظام کا ایک اہم ستون ہے۔ اس اعتبار سے یہ ریاستی سطح ہی کی چیز ہے۔ لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ اِس وقت فی الفور ایک آئیڈیل اسلامی ریاست موجود نہیں ہے اور ہم اس کی طرف ایک تدریجی ارتقاء کا مرحلہ طے کر رہے ہیں۔ اگر ہم انہی چیزوں کو لے کر بیٹھ گئے تو وہ مرحلہ آئے گا ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تو کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا کہ زکوٰۃ صرف ٹیکس نہیں ہے (معاذ اللہ)۔ اگر یہ صرف ایک مالیاتی معاملہ ہوتا' صرف ایک ٹیکس ہوتا تو اس کی شرح گھٹائی بڑھائی جا سکتی تھی' جیساکہ منکرینِ حدیث اور منکرینِ سنت کا موقف ہے۔ لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ عبادت ہے' لہٰذا جیسے نماز کا نظام محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے معین کر دیا اور وہ ابدی ہے' جس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی اسی طرح زکوٰۃ کا نصاب اور اس کی شرح بھی جو محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے معین فرما دی اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ تو میرے نزدیک اس میں عبادت کا پہلو یقیناً غالب ہے لہٰذا اِس وقت ہمیں اس کے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اس معاملے کو قبول کرنا چاہئے کہ سنیوں کے اپنے سوشل سیکیورٹی کے ادارے ہوں جہاں ان کی زکوٰۃ جمع ہو اور سنی ہی وہاں سے استفادہ کریں۔ اہل تشیع کا زکوٰۃ کا نظام علیحدہ رہے۔ وہ اپنی زکوٰۃ کہیں اور بھیجنا چاہتے ہوں تو پھر اپنے ہاں کی سوشل سیکیورٹی اور ویلفیئر کے لئے کوئی اور ٹیکس اضافی طور پر دینا قبول کریں اور اپنا نظام بنائیں۔ لیکن بہرحال ہمیں اس طرح کی چیزوں پر غور کرنا پڑے گا' اس لئے کہ یہ بات اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ اگر سنی شیعہ مفاہمت نہیں ہوتی تو اس ملک میں نفاذ اسلام کا مرحلہ نہیں آئے گا۔ شیعہ یہاں پر کوئی ایسی اقلیت نہیں ہے جسے آپ نظرانداز کر سکیں۔ ان کی اپنی ایک حیثیت ہے۔

علماء کنونشن میں شرکت اور اظہارِ خیال

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے ساتھ اس میٹنگ کے بعد جب میں واپس جا رہا تھا تو انہوں نے پھر مجھ سے کہا کہ پرسوں کنونشن ہے' آپ اس میں بھی شریک ہو جائیں' میں اپنا فالکون بھیج دوں گا جو آپ کو کراچی چھوڑ آئے گا۔ میں نے کہا کہ فالکون کے مقابلے میں تو میں بہت چھوٹی شے ہوں' البتہ کراچی سے میری فلائٹ چونکہ رات کی ہے لہٰذا میں کنونشن میں

شرکت کے بعد یہاں سے شام کی فلائٹ سے کراچی چلا جاؤں گا۔ تو میں ۲۰ اگست ۱۹۸۰ء کے اس کنونشن میں بھی شریک ہو گیا۔ وہاں مجھے اظہارِ خیال کے لئے جو موضوع دیا گیا وہ تھا "اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل"۔ وہاں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ آج ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہمارے یہاں جتنے بھی مسالک و مذاہب ہیں' انہیں ہم تسلیم کریں۔ آپ کتنا ہی چاہیں کہ اسلام میں مختلف مسالک نہیں ہونے چاہئیں' سب ایک ہوں' لیکن عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔ ان مسالک کی بارہ بارہ سو اور چودہ چودہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ سوچئے تو سہی کہ شیعہ سنی تاریخ کب سے شروع ہو رہی ہے! یہ میرے کہنے سے تو ختم نہیں ہو جائے گی' شیعہ ختم ہو جائیں گے نہ سنی ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح سے حنفی' شافعی اور مالکی فقہوں کی بارہ بارہ سو برس کی تاریخیں ہیں۔ یہ ختم ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ آپ ان کو باقی رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی بالادستی کا اعلان کیجئے اور ہر مسلک کو کھلی آزادی دیجئے۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ آپ ہر مسلک کی رجسٹریشن کروایئے۔ مردم شماری میں ہر شخص بتائے کہ اس کا تعلق کس مسلک سے ہے' تاکہ اگر کوئی فقہی معاملہ پیش آئے تو اسے اس کے مسلک کے مطابق طے کیا جائے۔ ایک مسئلہ یہ بھی پیش آسکتا ہے کہ اگر شیعہ اور سنی باہم شادی کریں تو اس پر کس فقہ کا اطلاق ہو گا۔ اہل تشیع کے ہاں ایک وقت میں دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں جبکہ احناف کے ہاں اس طرح طلاق مغلظ واقع ہو جاتی ہے۔ تو زمین اور آسمان کا فرق واقع ہو گیا۔ اس کا ایک حل یہ ہے کہ اگر سنی لڑکا اور شیعہ لڑکی یا شیعہ لڑکا اور سنی لڑکی رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتے ہیں تو ان میں سے ایک کو قربانی دینا پڑے گی۔ شادی کے وقت وہ نکاح فارم میں لکھوا دیں کہ اس شادی کے جملہ معاملات کونسی فقہ کے تحت طے پائیں گے۔ چنانچہ اگر کوئی جھگڑا ہو تو وہ اسی فقہ کے تحت طے کیا جائے۔

اٹھو ورنہ حشر.....

ارادہ اور عزم ہو تو کون سا ایسا مسئلہ ہے جو حل نہیں ہو سکتا۔ (Where there is a will there is a way) لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دین کو قائم

کرنے کی اہمیت سامنے ہو' یہ تینوں dimensions سامنے ہوں' یہ احساس اجاگر ہو کہ جب تک یہ مفاہمت نہیں ہوگی ہم تینوں اعتبارات سے مفلوج کھڑے رہیں گے۔ ہم نے شیعہ سنی اختلاف کے باعث ایک طرف دہشت گری اور تخریب کاری کو کمین گاہ فراہم کر دی ہے' دوسری طرف پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کی ہے اور تیسری طرف ان تمام مسلم ممالک میں اتحاد کی راہیں مسدود ہو رہی ہیں جن کے بارے میں مَیں نے کہا ہے کہ یہ جیو ورلڈ آرڈر کو روکنے کے لئے عالم اسلام میں آخری چٹان ہیں۔ بہرحال عرض کر رہا ہوں کہ ۔

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اگر ہم اس مسئلہ پر سنجیدہ نہیں ہوتے اور یہاں شیعہ سنی مفاہمت نہیں ہوتی تو' خاکم بدہن' ملک ٹوٹ جائے گا' پھر یہ سُنّی کا رہے گا نہ شیعہ کا۔ اس ملک سے کس کس کی امیدیں وابستہ تھیں۔ یہ پاکستان اسلامیانِ ہند کی پوری نصف صدی کی جدّوجہد کا حاصل تھا۔ یہ لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ترانہ تو یہاں لہک لہک کر گایا جاتا ہے کہ ؎

"آؤ بچو سیر کرائیں تم کو پاکستان کی
جس کی خاطر ہم نے دی قربانی لاکھوں جان کی"

کیا ہم وہ قربانیاں بھول گئے ہیں؟ اب تو اس نسل کے' میری عمر کے لوگ بھی یوں سمجھئے کہ چراغِ سحری ہیں جو آگ اور خون کے دریا بالفعل عبور کر کے اس سرزمین تک پہنچے تھے۔ ہم نے حصار سے چل کر سلیمانکی ہیڈ ورکس تک ۱۷۰ میل کا فاصلہ ۲۰ دن میں طے کیا تھا۔ مزید چند برس تک اب کون باقی رہ جائے گا جو قیام پاکستان کے حالات و واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ ع "بہت آگے گئے' باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!" پاکستان کی خاطر ہزارہا مسلمان عورتوں کی عصمتیں لٹی ہیں' جبکہ ہزارہا عورتیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاں ہی رہ گئی ہیں۔ قیام پاکستان کے چند سال بعد ان کی بازیابی کی مہم چلی تھی لیکن ان میں سے بہت سوں نے یہ کہہ کر یہاں آنے سے انکار کر دیا کہ تم لوگ اب ہمیں لینے آئے ہو جب یہاں ہمارے دو دو

تین تین بچے ہو چکے ہیں' اب تمہارے معاشرے میں ہمیں کون قبول کرے گا؟ اس قیمت پر یہ پاکستان بنا تھا۔

اب بھی اگر ہم نے نظریہ پاکستان کی طرف کوئی مثبت پیش رفت نہ کی تو پاکستان یا تو ٹوٹ جائے گا یا اگر رہے گا بھی تو کسی کا طفیلی بن کر۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ ایک صاحب نے یہ بیان دیا تھا کہ ہم پاکستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی دوبارہ نہیں بننے دیں گے تو اس کے جواب میں کسی صاحب نے' جن کا نام میں بھول رہا ہوں' بڑا پیارا مضمون لکھا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی یہاں سے گئی ہی کب تھی جو آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے دوبارہ نہیں آنے دیں گے۔ وہ تو جوں کی توں قائم ہے' صرف یہ فرق واقع ہوا ہے کہ اب دائسرائے کی جگہ ایمبیسیڈر نے لے لی ہے۔ اندازہ کیجئے' کراچی میں جو دو سفارت کار مارے گئے ان میں سے ایک کی رجسٹریشن بھی حکومت پاکستان کے پاس نہیں تھی۔ غالباً وہ انٹیلی جنس سے متعلق کوئی شخصیت تھی جو کسی cover میں تھی اور اس پر طرہ یہ کہ ان پر قانون بھی پاکستان کا نہیں امریکہ کا لاگو ہو گا۔ بہر حال اس صورت حال میں اگر یہ ملک باقی بھی رہا تو اس کا ٹھکانا یا تو امریکہ کی جھولی ہے یا پھر بھارت کی۔ ایک کی جھولی میں گرنے کا سلسلہ تو شروع ہو چکا ہے' لیکن کچھ کہا نہیں جا سکتا' کبھی بھی حالات بدل سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد تیسری بات یہ ہے' جو اہل تشیع کو خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے' کہ اگر پاکستان کی سالمیت کو کوئی گزند پہنچی تو پھر ایران کی بھی خیر نہیں' کیونکہ معاملہ صرف پاکستان کا نہیں ہے بلکہ امریکہ کے ٹارگٹ پر ایران بھی ہے اور اب تو شاید ہم سے کچھ درجے زیادہ ہی ہے۔ کل آپ نے خبر پڑھ لی ہو گی کہ کس طرح یہ بات کہنی شروع کر دی گئی ہے کہ ایران پانچ سال کے اندر اندر ایٹم بم بنا لے گا۔ یہ خبریں اسی طرح رفتہ رفتہ ریلیز کی جاتی ہیں تاکہ اس کے خلاف ذہنی فضا ہموار ہونی شروع ہو جائے۔ جیسے کبھی اسرائیلی طیارے سعودی عرب میں سے گزر کر عراق کے ایٹمی ری ایکٹر پر بمباری کر گئے تھے ایسا ہی کوئی اقدام کبھی وہاں بھی ہو سکتا ہے۔ انگریزی کی کہاوت ہے: "United you stand, divided you fall" چنانچہ اگر کوئی شیعہ سنی اتحاد اور مفاہمت ہو جائے تبھی ان تینوں جہتوں (dimensions) میں بات بہتری کی طرف جا

سکتی ہے۔

شیعہ سُنّی مسئلے کا چوتھا پہلو

اب میں اس مسئلہ کے بُعدِ رابع (4thdimension) کی طرف آتا ہوں جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ وہ غیر مرئی (invisible) ہے۔ اور یہ غیر مرئی پہلو صرف اسے نظر آئے گا جس کی آنکھ ع "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف" کا مصداق ہو بلکہ میرے نزدیک جس کی آنکھ میں کتاب و سنت کا سرمہ لگا ہوا ہو' جبکہ باقی تین پہلو تو ایسے واضح ہیں جو اندھے کو بھی نظر آ جائیں اور یہ چوتھا پہلو یا بُعدِ رابع احادیث نبویؐ میں وارد پیشینگوئیاں اور خوشخبریاں یا تنبیہات ہیں۔ یہودیوں کے ہاں سے "نیو ورلڈ آرڈر" کے نام پر جو عظیم طوفان اٹھنے والا ہے اس کے پیش نظر "المسیح الدجال" کا ظہور اب شاید کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کے بارے میں بھی میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔ مذہبی یہودیوں اور سیکولر یہودیوں کے مابین میں نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کے حوالے سے یہ بھی بتاتا چلوں کہ پچھلے دنوں میں امریکہ میں تھا تو وہاں مذہبی یہودیوں نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹرز کے سامنے ایک بہت بڑا مظاہرہ خود اسرائیل کی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ اس مظاہرے میں بڑی کثیر تعداد میں بنیاد پرست مذہبی یہودی شریک ہوئے جو اپنی داڑھیوں اور سیاہ شیروانیوں کی طرح کے لمبے لمبے کوٹوں سے ایسے لگتے تھے جیسے بڑے متشرع مسلمان ہوں' سوائے اس کے کہ ان کی زلفوں کا ایک خاص انداز ہے اور اگر وہ نہ ہو تو ہمیں تو وہ بڑے "مردِ مومن" نظر آئیں۔ یہ مظاہرہ اس لئے ہوا کہ اس وقت کی حکمران پارٹی سیکولر اور صیہونی ذہن کے لوگوں پر مشتمل ہے' جو یہ چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ عظیم تر اسرائیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' جب یہ پورا علاقہ ہمارے معاشی تسلط میں آ جائے گا تو پھر تمہیں آم کھانے سے مطلب ہے یا پیڑ گننے سے؟ لیکن بنیاد پرست یہودی اس پر مصر ہیں کہ ہماری ارضِ موعود ہمیں ملنی چاہئے اور عظیم تر اسرائیل قائم ہونا چاہئے۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ کی پیشانی پر بھی عظیم تر اسرائیل کا نقشہ موجود ہے اور یہودیوں کے لئے اس سے انحراف کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ لہٰذا عظیم تر اسرائیل کے قیام کے لئے مسیح دجال کا

خروج اب کوئی دن کی بات ہے' یہ چند سالوں میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس وقت سیکولر یہودیوں نے مذہبی یہودیوں کو ایک رشوت یہ دی ہے کہ وہ انہیں باور کرا رہے ہیں کہ ہم یروشلم پر قبضہ برقرار رکھیں گے۔ اگرچہ ہم نے سنائی' جریکو وغیرہ کے علاقے واپس کر دیئے ہیں اور اگر ہمیں شام بھی تسلیم کر لے تو ہم بولان کی پہاڑیاں بھی دینے کو تیار ہیں' اگر اس پورے علاقے پر ہمارا معاشی تسلط قائم ہو جائے تو ہم تلچھٹ اور لسی انہیں پلائیں گے اور ملائی اور مکھن خود کھائیں گے' لیکن ہم یروشلم کسی قیمت پر واپس نہیں کریں گے' یہ ہمیشہ کے لئے ہمارا صدر مقام ہو گا اور اس میں ہم ہیکل سلیمانی تعمیر کریں گے۔ اور آئندہ کے "ہالوکاسٹ" کا نقطہ آغاز یہی ہو گا کہ صیہونیوں کو مذہبی یہودیوں کی خدمت میں یہ رشوت پیش کرنا پڑے گی کہ مسجد اقصیٰ کو کسی بہانے سے گرا کر وہاں ہیکلِ سلیمانی تیسری مرتبہ تعمیر کریں۔ اور جب یہ ہو گا تو عالمِ عرب میں سے دردمند مسلمان بے چین اور بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس کے بعد انہیں بھوننے والے یہی امریکہ کے ایجنٹ ہوں گے جو ان کے حکمران بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن جب یہ معاملہ اور آگے بڑھے گا تو کوئی یہودی کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے گا کہ میں ہوں وہ "المسیح" جس کے تم منتظر ہو۔ مسیح علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئی بہت سے انبیاء نے دی تھی کہ اگر یہودی ان پر ایمان لے آئے تو وہ ان کے لئے نجات دہندہ ثابت ہوں گے۔ لیکن جب وہ مسیحؑ بالفعل آ گئے تو یہودیوں نے انہیں نہیں مانا' بلکہ انہیں واجب القتل قرار دے کر اپنے بس پڑتے انہیں سولی پر چڑھا دیا۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اب یہود کے نزدیک ان کے مسیحِ موعود جگہ ابھی خالی ہے' لہٰذا ان میں سے کوئی بدبخت "مسیح" ہونے کا دعویدار بن کر کھڑا ہو جائے گا اور اعلان کرے گا کہ وہ گریٹر اسرائیل قائم کر کے رہے گا۔ وہ دراصل "المسیح الدجال" ہو گا۔ "دجال" فریبی اور impostor کو کہتے ہیں۔ اصل مسیحؑ تو وہ تھے جو ان کی طرف مبعوث کئے گئے' لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے اور وہ آسمانوں پر اٹھا لئے گئے' اور "المسیح الدجال" مسیح ہونے کا جھوٹا دعویدار ہو گا۔ اس کے بعد وہ سارے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن کی پوری تفصیل احادیث میں آئی ہے۔ میں نے ان احادیث کے متن اور حوالہ جات اپنی

کتاب "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل" میں دے دیئے ہیں۔ ہندوستان کے ایک عالم دین جناب اسرار عالم کا ایک مضمون تازہ میثاق (بابت فروری، مارچ ۱۹۹۵ء) میں شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کا مالیاتی نظام کیا ہے۔ انہی کا ایک دوسرا مضمون ندائے خلافت میں بھی دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ اب یہ ساری چیزیں طشت ازبام ہو چکی ہیں، اگرچہ اب ان کے جاننے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں، یہودیوں نے جو کرنا تھا وہ کر چکے۔ اب یہ ساری چیزیں عام بھی ہو جائیں تو ہم کیا کرلیں گے؟ البتہ اس کے بعد کی خبریں یہی ہیں کہ عالم عرب کے اندر بھی اللہ تعالیٰ حضرت مہدی جیسے عظیم رہنما کو پیدا کرے گا اور پھر ان کی مدد کے لئے اور المسیح الدجال کو قتل کرنے کے لئے اصل مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے دوبارہ بھیجے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہمارے ہاں متفق علیہ ہے اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضرت مسیحؑ کی آمد کے بعد ان کی مدد کے لئے زمینی طور پر بلادِ مشرق سے لشکر چلیں گے اور یہ وہی مشرق ہے جس میں مَیں اور آپ آباد ہیں، جس میں افغانستان بھی ہے اور ترکستان بھی۔ اس مضمون سے متعلق مندرجہ ذیل دو حدیثوں کو میں نے بہت عام کیا ہے۔

(۱) حضرت عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَخرُجُ نَاسٌ مِنَ المَشرِقِ يُوَطِّئُون لِلمَهدِى يعنى سُلطَانَه

یعنی مشرق سے کچھ لوگ نکلیں گے جو دشمنوں کو پامال کرتے ہوئے مہدی کی حکومت کو قائم کرنے کے لئے پہنچیں گے۔

یہاں میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اہلِ تشیع اور اہلِ سنت کے ہاں مہدی کا جو تصور ہے اس میں فرق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مہدی ایک لیڈر ہوں گے جن کی عام انسانوں کی طرح ولادت ہوگی۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسل سے ہوں گے۔ ہمارے ہاں ان کی خبر بڑی مصدقہ احادیث میں دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے بھی سعودی عرب میں سٹیج تیار ہو چکا ہے۔ شاہ فہد اب شاید سعودی خاندان کے آخری بادشاہ ہوں، اور ان کے بعد بڑی شدت سے انتشار کا اندیشہ ہے۔ اس لئے کہ اس وقت جو ولی عہد ہے وہ

امریکہ کو پسند نہیں' لہٰذا وہ کسی اور کو لانا چاہے گا اور اس اعتبار سے وہاں کا معاملہ بہت طوفانی ہو جائے گا۔ بہرحال مہدی مسلمانوں کے لیڈر ہوں گے جو یہودیوں سے اور دجال سے مقابلہ کریں گے اور عرب کے اندر ایک مستحکم اسلامی ریاست اور حکومت قائم کریں گے۔ ان کے لئے ایک طرف آسمانی مدد حضرت مسیحؑ کی شکل میں آئے گی جو مسیح دجال کو قتل کریں گے اور دوسری طرف زمینی مدد کے طور پر مشرق سے فوجیں آئیں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرق میں پہلے سے کوئی نظام قائم ہو چکا ہو گا۔ یہی وہ بات ہے جو علامہ اقبال نے بایں الفاظ کہی ہے۔

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن وہی ہے

(ا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَخرُجُ مِن خُرَاسَان رَأيَاتٌ سود' لا يرد هاشيٌ حتى تُنصَبَ بِإيليَاء

یعنی خراسان سے سیاہ علم برآمد ہوں گے اور وہ پیش قدمی کرتے ہوئے چلے جائیں گے' کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکے گا' یہاں تک کہ وہ ایلیا میں جا کر نصب ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں دو لفظ "ایلیاء" اور "خراسان" وضاحت طلب ہیں۔ "ایلیاء" رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یروشلم کا نام تھا۔ ۷۰ عیسوی میں رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کے کئی سو سال کے بعد ہیڈریان بادشاہ نے اسے دوبارہ آباد کیا اور اس کا نام بھی بدل کر ایلیا رکھ دیا۔ حضور ﷺ کے زمانہ تک اس کا نام ایلیا ہی تھا۔ حضورؐ کے زمانے میں "خراسان" افغانستان کے پورے علاقے اور ترکستان' ایران اور پاکستان کے بعض علاقوں پر مشتمل خطے کا نام تھا۔ میں امریکہ میں ایک کتاب میں اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کے زمانے کا نقشہ دیکھ کر آیا ہوں جس میں اس پورے علاقے کو خراسان ظاہر کیا گیا ہے۔ ایرانی قونصلیٹ سے کچھ حضرات میرے پاس آئے تو میں نے

ان سے بھی اس خراسان کا تذکرہ کیا۔ اس پر انہوں نے بھی کہا کہ "خراسانِ بزرگ" وہ قدیم خراسان ہے جو اس پورے علاقے پر مشتمل ہے۔ افغانستان اس کے قلب میں واقع ہے، جس کے اردگرد ایران، پاکستان اور ترکستان کے علاقے ہیں۔ یہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی وہ خوشخبریاں ہیں جن کے ہوتے ہوئے مجھے تو سرے سے کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوگا۔ البتہ اس کے لئے ہمیں مفاہمت کا قدم اٹھانا پڑے گا۔ اگر شیعہ سُنّی مفاہمت نہیں ہوتی تو اس کی طرف پیش رفت نہیں ہو پائے گی۔

حرفِ آخر

اب میں اپنے شیعہ بھائیوں سے آخری بات دست بستہ عرض کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ یہ بات صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی، مجھے امید کی کرن نظر آ رہی ہے۔ خدا کے لئے اس معاملے پر اس پہلو سے سوچیں کہ اگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں تو کیا کچھ حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اسے رد کرتے ہیں تو کیا کچھ ہاتھ سے جاتا ہے، اس کا موازنہ کریں۔ اس ضمن میں ایک اچھی بات یہ بھی سامنے آئی ہے کہ ایک زمانے میں اہل تشیع نے اپنی ایک جماعت کا نام "تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ" رکھا ہوا تھا، جسے الحمد للہ اب انہوں نے "تحریکِ جعفریہ" کر دیا ہے۔ یعنی انہیں اس حقیقت کا ادراک ہو گیا ہے کہ یہاں پر فقہ جعفریہ کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ اب میری ان سے گزارش یہ ہے کہ ایک قدم اور آگے بڑھائیں اور کھلے دل کے ساتھ پاکستان میں وہی حیثیت قبول کر لیں جو ایران میں سنیوں کو دی گئی ہے۔ اس طرح یہاں پر وہ اتحاد قائم ہو جائے گا جس سے خیر کے سارے راستے کھلتے چلے جائیں گے۔

اَقولُ قَولی ھٰذا وَاستغفرُ اللّٰہَ لی وَلکم ولِسائرِ المُسلمین وَالمُسلِمات ○○

ضمیمہ

اسلام میں مختلف مسالک کی حیثیت
اور مفاہمت کا راستہ

خطاب : آیت اللہ محمد واعظ زادہ خراسانی

حمد و ثنا اور درود کے بعد فرمایا :

اپنی تقریر سے پہلے میں لازم سمجھتا ہوں کہ اس ادارہ کے منتظمین اور جناب مولانا اسرار احمد صاحب کا شکریہ ادا کروں کہ جنہوں نے ہمیں اس بات کی اجازت دی اور ہمارے لئے اس امر کا اہتمام کیا کہ اس عظیم الشان ادارہ اور خاص طور سے قرآن اکیڈمی کا دورہ کریں اور چند باتیں آپ اساتذہ و تلامذہ کی خدمت میں عرض کریں۔

برادران محترم! امت اسلام امت واحدہ ہے' وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ البتہ عہد رسالت ﷺ کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور مختلف فرقے وجود میں آ گئے' جن میں مختلف مسالک کلامی اور مسالک فقہی شامل ہیں اور آج کے دور میں اکثر و بیشتر مسلمان انہی چند فقہی مسالک کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان مسالک میں حضرت امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ علیہم کے فقہی مسالک شامل ہیں' وہاں ایک اور فرقہ مسلک شیعہ پر ہے جو اہل بیت کے پیروکار ہیں۔ اور آج کے دور میں اکثر و بیشتر دو مسلک اس فرقہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک مسلک شیعہ جعفریہ امامیہ اور دوسرا مسلک زیدیہ۔

ہم نے ایران میں حضرت آیت اللہ خامنہ ای رہبر معظم جمہوری اسلامی ایران کے حکم کے مطابق ایک بین الاقوامی فورم تشکیل دیا ہے جس کا مقصد مختلف اسلامی مسالک کے افراد کو ایک دوسرے کے قریب لانا ہے اور اس کا نام "مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی" ہے۔ ہماری دعوت اس بنیاد پر ہے اور ہمارا کہنا یہ ہے کہ زمانہ صدر اسلام میں جو بھی سیاسی اختلافات موجود تھے انہیں تو مکمل طور پر ہمیں بھول جانا چاہئے۔ البتہ مذہب اور مسلک کے اختلافات برہان و استدلال کے دائرہ میں قابل قبول ہیں اور قابل بحث بھی۔

مختلف مذاہب و مسالک کے پیروکار اپنے اپنے امام اور رہبر رکھتے ہیں' ان کا اپنا اپنا مسلک ہے اور ان کی اپنی اپنی فقہ ہے۔ ہر فرقہ اپنی فقہ پر عمل کرتا ہے اور وہ اپنے امام کی تقلید و پیروی میں ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اسلامی امت واحدہ کے طور پر انہیں اکثر انہی مسائل کا سامنا ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی موجود تھے' خواہ ان مسائل کا تعلق عقیدہ سے ہو یا شریعت و سیاست سے۔ چاہئے یہ کہ ان جملہ امور پر ہم متفق ہوں۔ ہمیں اس امر پر کوئی اختلاف نہیں ہے' کیوں کہ ان جملہ مسالک نے پیغمبر اسلامی ﷺ ' قرآن' قبلہ' نماز' روزہ' حج' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب کو قبول کیا۔ سبھی ان اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان ہونے کا معیار و میزان ان جملہ امور کو قبول کرنا اور ان اصولوں پر ایمان لانا ہے' اور سبھی کے نزدیک یہ امور و اصول قابل قبول ہیں۔ مسالک اور فرقے بعد میں پیدا ہوئے۔ مسالک تو راستے ہیں اسلام تک پہنچنے کے لئے۔ ہاں یہ راستے مختلف ہو سکتے ہیں لیکن اسلام تو ایک ہی ہے اور یہ راستے اور مسالک بھی تو اصلی و اصولی مسائل میں ایک ہی امت واحدۂ اسلامی کو تشکیل دیتے ہیں۔ ان کا اصل و اصول پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف تو بعض مسائل میں ذیلی اور فرعی نوعیت کا ہے جو کہ مجتہدین کے اجتہاد کی بنا پر وجود میں آیا ہے۔ اس نوع کے اختلافات اہل سنت میں بھی ہیں اور اہل تشیع میں بھی موجود ہیں۔ ہم لوگ مسلک شیعہ امامیہ میں بھی مسائل فرعی میں اختلاف نظر رکھتے ہیں کیونکہ دلائل کے اختلاف کے لحاظ سے ہمارے علماء کے فتاویٰ مختلف ہیں۔ باعث تعجب بات یہ ہے کہ مسلک امامیہ میں (یعنی فقہ جعفریہ میں) کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کی اہل سنت کے کسی نہ کسی مسلک کے ساتھ مطابقت و موافقت نہ ہو۔ اس سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی گئی ہیں اور اس پر بحثیں بھی موجود ہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ ہمیں صدر اسلام کے اختلافی و سیاسی مسائل کو بھول جانا چاہئے۔ ان باتوں کا تعلق ماضی سے اور گزشتہ تاریخ سے ہے اور ہم پر قطعاً لازم نہیں آتا ہے کہ ان مسائل کے بارے میں بحثوں میں الجھے رہیں۔ ہاں البتہ جو اختلافی مسائل ہمارے درمیان میں موجود ہیں ان پر بات چیت کرتے ہوئے ہمیں رواداری کا ثبوت دینا چاہئے اور اس سلسلہ میں درست علمی روش کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ ہمیں کسی بات کو بھی محض فقہی اختلاف کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑے یا تنازعہ کا باعث نہیں بنانا چاہئے یا یہاں تک نوبت نہیں لے آنی چاہئے کہ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگاتے پھریں یا ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کرتے پھریں۔ مسلمان ہونے کی شرط ان اصولوں پر اعتقاد ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائے ہیں اور آنحضرت ﷺ

کے زمانے میں جملہ مسلمانوں میں رائج رہے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم تمام مسلمان ان اصولوں پر متفق ہیں۔ ہاں البتہ مسلکی و فرعی مسائل پر اختلاف رائے موجود ہے اور رہے گا کیونکہ اس سلسلہ میں مجتہدین کا اختلاف رائے موجود ہے' دلائل کا اختلاف موجود ہے' احادیث کا اختلاف موجود ہے' مختلف مسالک میں اصول استنباط کا اختلاف موجود ہے۔ ایک مسلک کے مطابق قیاس کو حجت تسلیم نہیں کیا جاتا لیکن دوسرے مسلک میں قیاس کو حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک مذہب کے مطابق ایک روایت صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے' دوسرے مذہب میں دوسری روایت صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے اختلافات موجود رہے ہیں اور رہیں گے۔ یہ اختلاف تو رحمت ہے۔ "اختلافُ امّتی رحمۃٌ" کے معنی بھی یہی ہیں کیونکہ فرعی و ذیلی مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور اس طرح اختلاف کا دروازہ بھی۔ اور مسلمان زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق ان مسالک میں سے کسی ایک پیروکار ہو سکتے ہیں۔

شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت نے آج سے تقریباً تیس برس پہلے فتویٰ دیا کہ یہ مسالک جن میں اصل فقہ موجود ہے اور یہ مدتوں سے رائج ہیں' یہ سبھی معتبر ہیں اور ایک مسلمان ان میں سے کسی ایک کی پیروی کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو جناب شیخ محمود شلتوت نے اس وقت کہی' اس کی عملی اساس یہی ہے کہ مشترک اور مسلمہ امور میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے' البتہ بعض ایسے مسائل میں اختلاف ہے کہ جن کی وجوہ واضح نہیں ہیں۔ چنانچہ ان میں اختلاف نظر موجود ہے۔

بعض مسائل ایسے ہیں کہ مسلمان ان میں اپنے ہی ائمہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں وہ دوسرے مسالک کی تقلید بھی کر سکتے ہیں۔ انہیں اپنے اس ایک مسلک ہی کا پابند نہیں ہو کر رہ جانا چاہئے۔ کسی ایک علاقہ میں کوئی ایک مسلک رواج رکھتا ہو اور وہاں علماء و سابقین کا ایک گروہ اس مسلک کی پیروی کرتا رہا ہو اور عہد حاضر میں بھی اس مسلک کی پیروی اس علاقے میں موجود ہو تو اس سے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہونا چاہئے اور یہ مذہبی و مسلکی اختلاف اس امر کا موجب نہیں بننا چاہئے کہ ہم ایک دوسرے کو مسلمان تسلیم کرنا ہی چھوڑ دیں اور اسلام سے خارج سمجھنے لگ جائیں۔ جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہو کہ وہ ایسے بنیادی اصولوں پر مکمل اعتقاد رکھتے ہوں جو معیار وحدت ملی اور معیار اسلامی کے عین مطابق ہوں۔

یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کی ہم "مجمع جہانی تقریب مذاہب اسلامی" (مسالک اسلامی کی قربت کے لئے بین الاقوامی فورم) میں پاسداری کرتے ہیں۔ یہ فورم ایک ایسا مرکز ہے جس کی پانچ سال پہلے بنیاد رکھی گئی۔ اس کی ایک مجلس مشاورت ہے جس میں اہل سنت و اہل تشیع کے مختلف

مسالک کے نمائندے شریک ہیں اور سال میں ایک دفعہ ان کا ماہ میلاد النبی میں اجتماع ہوتا ہے' جس میں مختلف موضوعات پر سیمینار اور کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ شرکاء مشترکہ و متفقہ مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو عقائد اسلامی کی پابندی کی تاکید و تلقین کرتے ہیں اور اختلافی مسائل پر بحث و اظہار نظر کا دروازہ ایک دوسرے کے لئے کھلا رکھتے ہیں۔ عموماً ہر سال ایک موضوع اس سلسلہ میں مورد بحث قرار پاتا ہے۔ اس سال ماہ ربیع الاول میں "تقریب مذاہب اسلامی سیمینار" میں "کتاب و سنت" موضوع دیا گیا تھا۔ سو سے زائد مقالات اندرون و بیرون ملک سے اہل سنت و اہل تشیع کی طرف سے اس موضوع پر موصول ہوئے۔ سب کا اس امر پر اتفاق نظر تھا کہ قرآن مجید آسمانی کتاب ہے اور اس میں قطعی طور پر کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے اور جو کوئی یہ کہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے اسے فرق اسلامیہ میں شمار نہیں کرنا چاہئے اور اگر اس نے غلطی سے یہ بات کہی ہو تو اسے اس سے دستبردار ہو جانا چاہئے اور اگر اس نے یہ بات عمداً کہی ہو تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ قرآن مجید پر یہ خیالات اس فورم سے اتفاق رائے کے ساتھ پیش کئے گئے اور اس سلسلہ میں ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا۔

سنت نبوی ﷺ کے سلسلہ میں سب کا اس امر پر اتفاق تھا کہ یہ اسلام کا دوسرا رکن رکین ہے۔ ہاں البتہ سنت نبوی ﷺ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ بھی مسلمانوں تک پہنچی کہ اہل سنت زیادہ تر اس ذریعے اور واسطے سے سنت نبوی کے مقلد ہیں۔ اس طرح سنت نبوی ﷺ حضرات ائمہ اہل بیت کے ذریعہ بخصوص حضرت جعفر بن محمد ﷺ کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ بھی ہمارے لئے حجت اور سند ہے۔

اس امر پر سب کا اتفاق رائے تھا کہ سنت نبوی ﷺ اور اس پر عملدرآمد کے بارے میں وہ تمام قواعد و موازین مدنظر رکھے جائیں جو علم حدیث میں مصطلح ہیں اور بغیر تحقیق کے کسی حدیث یا روایت پر عمل شروع نہیں کر دینا چاہئے۔ تحقیق کے بعد اور بیان شدہ موازین کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت کریں اور پھر اس حدیث کو قبول کریں اور اس کے بغیر قبول نہ کریں۔ اس امر پر کامل اتفاق رائے تھا کہ بہت سارے موازین جو اس سلسلہ میں معین ہیں' قبول سنت نبوی ﷺ کے لئے معتبر ہیں اور سبھی اس بات پر متفق تھے کہ راوی کو صادق ہونا چاہئے' عادل ہونا چاہئے' اس کا مسلک درست ہونا چاہئے' اسے صاحب اعتماد ہونا چاہئے۔ اگر کوئی جانبداری کا مظاہرہ کریں تو ان کی روایت قابل قبول نہیں ہے مگر یہ کہ ان کی بیان کردہ روایت کا ساتھ قرائن بھی دیتے ہوں اور دوسروں نے بھی وہ روایت بیان کی ہو تو وہ جملہ مسائل تھے جن پر کتاب و سنت کے حوالے سے

اتفاق رائے موجود تھا۔ ہاں اس سلسلہ میں اختلافی مسائل بھی ہیں۔ آیات قرآنی کے سلسلہ میں مختلف تفاسیر موجود ہیں۔ ایک ہی آیت کی کئی طرح سے تفسیر کی گئی ہے۔ ان تفاسیر کو جانچنا چاہئے کہ ان میں سے کون سی ظاہر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان میں سے کون سی صحیح روایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ہم تک پہنچی ہے' اسے انتخاب کریں۔ بہرحال تفسیر قرآن کے ذیل میں اختلاف نظر موجود ہے۔ قرآن مجید کی قراءتوں میں اختلاف موجود ہے۔ یہ سب نقطہ ہائے نظر محترم ہیں لیکن انسان کو اس نقطہ نظر کو قبول کرنا چاہئے جو دلیل و برہان کے ساتھ ہو۔ اس کے بغیر کسی ایک کو دوسرے نقطہ نظر پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ یہ سب مسائل جو بحث و مباحثہ کے ذیل میں آئے اور ان پر اتفاق رائے بھی موجود تھا۔ اختلافات بھی پیش کئے گئے لیکن نچلے حلقے میں' جن کی تفصیل مقالات اور تقاریر میں آچکی ہے۔

برادران گرامی! ہمیں دو بڑے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے ایک حکومت اسلامی کا مسئلہ ہے۔ ماضی بعید میں حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بعد ایسی حکومتیں آئیں کہ جن پر کچھ طبقات کا اتفاق اور کچھ کا اختلاف تھا۔ لیکن آج' کیا آج ہم اس بنیادی امر کو کہ اسلام حکومت کا حامل ہے' نظر انداز کر سکتے ہیں؟ امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کہتے تھے کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ حکومت اسلامی کی بنیاد رکھیں۔ آپ خود اٹھے' ایرانی عوام نے آپ کی پیروی کی' ان کی حمایت کی اور آخر کار آپ ایک اسلامی حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس اسلامی حکومت کی اساس اسلام ہے اور وہ اس امر کی پابند ہے اور اس پر لازم ہے کہ اسلامی احکام کو نافذ کرے۔

اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے ایران کی اکثریت شیعہ امامیہ پر مشتمل ہے' اکثر قوانین اسی بنیاد پر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ البتہ ایران میں اہل سنت کے درمیان خود ان کے قوانین کا نفاذ کیا جاتا ہے اور ایران کے آئین جمہوری اسلامی میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ اگرچہ ایران کا سرکاری مذہب' مذہب امامیہ ہو گا مگر حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور زیدی مذاہب بھی قابل احترام ہوں گے اور ان مذاہب کے پیروکار ایران میں اپنے قانون (پرسنل لاء) پر عمل کریں گے۔ نکاح اور وراثت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی پیروی خود ان کے اپنے مذہب کی ہوگی۔ چنانچہ آج وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مسلک کے مطابق عبادات انجام دیتے ہیں۔ ان کے مدارس' ان کی مساجد اب بھی موجود ہیں اور انقلاب کے بعد ان میں ترقی اور وسعت پیدا ہوئی ہے۔ وہ اپنے مسلک پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ عام طور سے ایران میں اہل سنت کے دو مذاہب ہیں۔ ایک مذہب امام ابوحنیفہ اور دوسرا مذہب امام شافعی۔ ان دونوں مذاہب کے پیروکار اپنے اپنے عمل میں پوری طرح آزاد ہیں۔ اگر

آپ کو اس کے برعکس کوئی بات بتائی گئی ہے تو وہ جھوٹ ہے' جھوٹ ہے اور جھوٹ۔

اسلام کے دشمن کوئی کم نہیں ہیں۔ ان کا سرغنہ امریکہ ہے اور اسی طرح بہت ساری وہ حکومتیں جو اسلامی ممالک میں ہیں اور وہ اپنے ہی ملک میں اسلامی حکومت کے قیام کی مخالف ہیں۔ اس خیال سے کہ یہ انقلاب کہیں دوسرے ممالک میں اثر و نفوذ پیدا نہ کر لے' ایران کے اسلامی انقلاب کی غلط تصویر دکھائی جاتی اور اس پر افتراء باندھا جاتا ہے۔ یہ تو رہا ایران کا معاملہ' جہاں تک دوسرے اسلامی ممالک کا تعلق ہے تو ہم اس امر کے خواہش مند ہیں کہ ہر اسلامی ملک میں' اس ملک میں رائج مذہب و مسلک کے مطابق اسلامی حکومت تشکیل دی جائے۔ اور اس ملک میں جہاں زیادہ تر امام ابو حنیفہ کے مذہب کے پیرو کار موجود ہیں' اسی مسلک کی بنیاد پر' افریقی ممالک جہاں پر امام مالک کے پیرو کار موجود ہیں وہاں پر امام مالک کی فقہ کے مطابق حکومت اسلامی بنائی جائے۔

یہ جو امام خمینی کہتے تھے کہ ایران کا انقلاب برآمد ہونا چاہئے تو ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جس طرح ایران میں اسلام کی بنیاد پر حکومت اسلامی وجود میں لائی گئی ہے تو اسی طرح دوسرے اسلامی ممالک میں' ان میں رائج اسلامی فقہوں کے مطابق اسلامی حکومتیں تشکیل دی جائیں۔

آپ کو جاننا چاہئے کہ ہمارے ہاں سیاسی مسائل پر کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔ آخر کار ہمارے ہاں شورائی نظام قبول کر لیا گیا۔ ایران میں صدر مملکت لوگوں کے ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کے ارکان بھی عوام کے ووٹوں سے انتخاب کئے جاتے ہیں۔ ہر اسلامی ملک میں اسلامی حکوت تشکیل دی جا سکتی ہے جو اس امر کی پابند ہو کہ اسلامی احکام کو اپنے ہاں نافذ کرے۔ سربراہ مملکت' صدر ہو یا خلیفہ یا کسی اور نام سے' اسے عوام کے ووٹوں اور شورائی نظام کے ذریعہ منتخب کیا جائے۔ لوگوں کے نمائندے بھی اسی طرح پارلیمنٹ میں ووٹ کے ذریعہ منتخب ہوں۔ ہمارے ہاں اور دوسروں کے درمیان اس موضوع پر کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان اصول و مبانی کا جن سے ہم اس وقت ایران میں استفادہ کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ عرض نہیں کرنا ہے۔

باب دوم

سفر ایران کے مشاہدات

اور تاثرات

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خطاب جمعہ

☆

مع

مقدمہ

امیر تنظیم اسلامی کا سفر ایران

ایک رپورتاژ

تحریر : ڈاکٹر عبدالخالق ' نائب امیر تنظیم اسلامی

امیر تنظیم اسلامی کا

چھ روزہ دورۂ ایران

(۱۶/ تا ۲۳/ اکتوبر ۹۶ء)

از قلم : ڈاکٹر عبدالخالق

گزشتہ سال (۱۹۹۵ء) نومبر میں جماعت اسلامی کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی خاطر آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی (رئیس المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیہ) جب پاکستان تشریف لائے تو امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے ملاقات کے لئے قرآن اکیڈمی بھی تشریف لائے۔ امیر محترم نے انہیں دعوت دی کہ وہ قرآن کالج میں طلبہ سے خطاب فرمائیں۔ اپنے اس خطاب میں انہوں نے جو باتیں فرمائیں وہ کافی حد امیر محترم کی ان باتوں سے مماثلت رکھتی تھیں جو وہ شیعہ سنی مفاہمت کی ٹھوس اور مؤثر اساس کے حوالے سے قبل ازیں بیان فرما چکے تھے۔ چنانچہ ع "متفق گردید رائے بو علی با رائے من" کے مصداق امیر محترم کی ان سے ذاتی دلچسپی قدرتی امر تھا۔ دوسری جانب جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی اس دلچسپی کو محسوس کر رہے تھے لہٰذا یہی دراصل امیر محترم کے موجودہ دورۂ ایران کا اصل سبب بنا۔ ورنہ تو اس سے قبل بھی متعدد بار مختلف فنکشن یا سیمیناروں میں شرکت کے حوالے سے دورۂ ایران کی دعوت مل چکی تھی' لیکن امیر محترم نے ہر بار یہی فرمایا کہ میں اس قسم کی محافل کا آدمی نہیں ہوں' مجھے تو آپ کبھی شخصی اور انفرادی حیثیت سے انقلاب ایران کے بعد کے "ایران" کو دیکھنے کی دعوت دیں گے تو جاؤں گا۔

چنانچہ اسی قسم کی دعوت پر ایک ہفتہ کا یہ دورہ طے ہوا۔ امیر محترم کے ہمراہ ہم تین افراد تھے : راقم الحروف' ڈاکٹر نجیب الرحمن جو تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق ہیں اور آجکل اگرچہ ملائشیا میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں لیکن ۱۴ سال تک ایران میں رہے ہیں۔ انہوں نے قبل از انقلاب اور بعد از انقلاب کے ایران کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' فارسی میں بے

تکلف گفتگو کر سکتے ہیں۔ ابھی دو روز قبل ہی ملائشیا سے پاکستان چھٹی گزارنے آئے تھے کہ امیر محترم کے حکم پر ہمارے ساتھ ہو لئے۔ تیسرے ہم سفر عزیزم رشید ارشد (جناب اقتدار احمد مرحوم کے سب سے چھوٹے بیٹے) تھے' جو اپنے ذاتی خرچ پر اس مختصر قافلے میں شریک ہوئے تھے۔

۱۶/ اکتوبر کو چار افراد کا یہ قافلہ کراچی سے ایرانی ایئرلائن کی فلائٹ سے مقامی وقت کے مطابق ۵ بجے شام روانہ ہوا۔ کسی بھی ملک کی ثقافت کو سمجھنے کے لئے اس ملک کی ایئرلائن کا سفر ابتدائی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایرانی ایئرلائن میں عورتوں کو سکارف اوڑھنے کی ترغیب دلائی جاتی ہے اور اس کی "میزبان خواتین" (ایئرہوسٹس) ان کے تصورات کے مطابق حجاب میں ہوتی ہیں' جس میں چہرے کی ٹکیہ اور ہاتھ کے علاوہ جسم پوری طرح سے ڈھکا ہوتا ہے اور وہ ایئرہوسٹس کی بجائے "راہبائیں" نظر آتی ہیں۔ تین گھنٹے کی فلائٹ کے بعد ایران کے مقامی وقت کے مطابق (جو پاکستان کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ پیچھے ہے) ساڑھے چھ بجے ہم تہران کے مہر آباد ایئرپورٹ پر اتر گئے' جہاں ہوائی جہاز کی سیڑھیوں ہی پر عبدالحمید طالبی استقبال کے لئے موجود تھے۔ یہ نوجوان اس ادارے میں ملازم ہیں جس نے ہمیں مدعو کیا تھا۔ ایران میں ہماری مصروفیات کا پروگرام انہی کے حوالے تھا۔ ہمیں V.I.P. لاؤنج لے جایا گیا جہاں دو مزید افراد ابوالقاسم اور حجتہ الاسلام غفاری استقبال کے لئے موجود تھے۔ سامان کی وصولی میں کافی وقت لگ گیا' محسوس ہوا کہ اس لحاظ سے ایرانی ایئرلائن بھی پاکستانی ایئرلائن جیسی ہی ہے۔ سامان کے انتظار کے دوران غفاری صاحب سے گفتگو جاری رہی۔ موصوف خاصی انگریزی بول لیتے ہیں اور اس سے قبل بعض ممالک میں سفیر کے عہدہ پر بھی فائز رہے ہیں (ایران میں علماء فارسی اور عربی پر تو کافی دسترس رکھتے ہیں لیکن انگریزی شاذ ہی کوئی سمجھ یا بول سکتا ہے) امیر محترم نے ان کے سامنے اپنے دورۂ ایران کا پس منظر بیان کیا' نیز بین الاقوامی حالات کے تناظر میں شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور اس کے لئے ٹھوس اور موثر اساس پر اپنا موقف بیان کیا۔ امیر محترم اگرچہ کافی تھک چکے تھے لیکن سامان کی آمد کا انتظار ایک مجبوری تھا۔ خدا خدا کر کے ائیرپورٹ سے روانہ ہوئے اور قریباً پینتالیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہوٹل آزادی پہنچے جس کی کل چھتیس منزلوں میں سے انیسویں منزل پر ہمیں ایک ہفتہ رہنا تھا۔ ہم تو ذہناً اس کے لئے بھی تیار تھے کہ ایک ہی کمرے میں گزارہ کر لیں لیکن یہ ہمارے میزبانوں کو گوارا نہ ہوا اور انہوں نے امیر محترم کو ایک بڑا کمرہ علیحدہ دیا۔ البتہ باوجود مطالبے کے ہمیں ہماری مصروفیات کے بارے میں

کوئی ٹائم ٹیبل نہیں دیا گیا' صرف اتنا بتایا گیا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے تیار رہے گا۔

۱۷/ اکتوبر صبح ۹ بجے آیت اللہ تسخیری صاحب سے ملاقات تھی۔ موصوف رئیس ثقافت و علاقات اسلامیہ ہیں۔ اور ہمارا میزبان ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاھب الاسلامیہ" انہی کے ماتحت کام کرتا ہے۔ ان سے یہ ملاقات کوئی پون گھنٹے تک جاری رہی۔ جناب آیت اللہ نے فارسی زبان میں گفتگو کی جس کے اکثر مفہوم کو امیر محترم نے سمجھ لیا اور پھر اپنی گفتگو میں جو انگریزی زبان میں ہوئی اس کا جواب دیا۔ آیت اللہ تسخیری بہت ہی خندہ پیشانی سے ملے۔ موصوف کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی ہے جس نے ان کی شخصیت کو بہت دل آویز بنا رکھا ہے۔ امیر محترم نے یہاں بھی شیعہ سنی مفاہمت کے حوالے سے اپنی تجاویز کا اعادہ کیا۔ آیت اللہ تسخیری نے انقلاب ایران کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایرانی فوجیوں کو انقلابیوں کا ایک ایک ہجوم منتشر کرنے کے لئے ٹینک دے کر روانہ کیا گیا۔ جب شاہ کے ٹینک جلوس کے قریب پہنچے تو مظاہرین کے رہنما نے لوگوں کو اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اب سپاہی ٹینک چھوڑ کر کھڑے ہو گئے کہ اس صورت حال میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔ (نیشنل آرمی اپنے عوام پر ناروا ظلم نہیں کر سکتی۔ گویا یہ واقعہ اس کا ثبوت تھا)۔ جناب آیت اللہ تسخیری نے ایک قرآنی آیت کا خوبصورت فریم امیر محترم کو ہدیتاً پیش کیا۔ جواباً امیر محترم نے انہیں اپنی انگریزی و فارسی کتب کا سیٹ ہدیہ کیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہمیں "مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی" لے جایا گیا۔ اس ادارے کے تحت اسلامی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کا کام جاری ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ ۳۰۰ سکالر اس کام کو سرانجام دے رہے ہیں۔ اب تک اس کی ۱۹ جلدیں چھپ چکی ہیں' ساتھ ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی ہو رہا ہے جس کی چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ عربی زبان کی پہلی دو جلدیں امیر محترم کو ہدیتاً پیش کی گئیں۔ اس ادارے کی اپنی لائبریری ہے جس میں ۳۵ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ اس ادارے کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنے ادارے کا تفصیلی تعارف کروایا۔ اس ادارے کے تحت ہر سال ایک جلد ۷۶۰ صفحات پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا کی تیار ہو رہی ہے۔

امیر محترم نے اس انسائیکلو پیڈیا کے اردو زبان میں ترجمہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ پوری دنیا کی ۱۲۰ کروڑ مسلمان آبادی میں سے ۴۰ کروڑ کے قریب آبادی برعظیم پاک و ہند میں بستی ہے جو تقریباً سب کی سب اردو زبان سمجھتی ہے' لہٰذا اس انسائیکلو پیڈیا کا اردو ترجمہ

بہت مفید رہے گا اور بڑی تعداد میں مسلمان اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے بتایا کہ ایرانی حکومت نے فلسطین کے بارے میں ایک خصوصی انسائیکلوپیڈیا ترتیب دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔

ڈاکٹر بجنوردی بہت اہم شخصیت ہیں۔ ان کے والد آیت اللہ عصروی "مرجع" تھے۔ ڈاکٹر موصوف خود سیاسی شخصیت رہے ہیں۔ شاہ کے زمانے میں انہوں نے ۱۴ سال قید میں گزارے۔ یہ ملائی اسلامی پارٹی کے صدر تھے۔ اس پارٹی کے کئی رہنما موجودہ حکومت میں وزیر ہیں۔ انقلاب ایران کے بعد ڈاکٹر موصوف اصفہان کے گورنر رہے۔ انہیں وزیراعظم بھی نامزد کیا گیا لیکن انہوں نے اپنی خدمات اس ادارے کے لئے وقف کر دیں اور تحقیقی کام کو ترجیح دی۔

ظہر کے وقت ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ امیر محترم نے ہوٹل میں آرام کیا' لیکن ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اپنے طور پر بھی کچھ گھومیں پھریں تاکہ کچھ معلومات آزادانہ طور پر بھی حاصل ہوں' لیکن مجبوری یہ تھی کہ ہمیں جس ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا وہ مرکز شہر سے ۱۵ کلومیٹر دور تھا اور کوئی براہ راست پبلک ٹرانسپورٹ بھی ادھر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ سرکاری انتظام میں ہی سہ پہر ہم نے شہر کا چکر لگایا۔ تہران شہر خوب صاف ستھرا ہے۔ فٹ پاتھ واقعتاً پیدل چلنے والوں کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ شہر میں خوب چہل پہل تھی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعداد قریباً برابر ہی کی ہوتی ہے گویا عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے لیکن "حجاب" میں (ایرانی تصور کے مطابق)۔ کسی بھی عورت کو ہم نے حجاب کے بغیر نہیں دیکھا۔ انقلاب کے بعد معاشرتی سطح پر یہ تبدیلی بہت نمایاں ہے' البتہ معاشی سطح پر کوئی بڑی تبدیلی نہیں آسکی۔ مہنگائی بہت زیادہ ہے اور عوام الناس اس سے خاصے پریشان ہیں۔ گویا اگر یوں کہا جائے کہ انقلاب کے بعد' ان کے اسلامی تصورات کے مطابق ہی سہی' یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ پابندیاں تو لگ گئی ہیں لیکن لوگوں کی معاشی حالت بہتر ہونے کی بجائے دگرگوں ہو گئی ہے۔ اگرچہ اس معاشی ابتری کا بڑا سبب آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو عوام کو بنیادی ضروریات کی بہ سہولت فراہمی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس سے لمبے عرصے تک صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی اسباب Counter Revolution کا باعث بن جایا کرتے ہیں' اگرچہ' بحمد اللہ' اس کے کم از کم فی الحال ایران میں کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

ہم نے کچھ خریداری بھی کی۔ رقم کا حساب کرنا نسبتاً آسان تھا' ایک روپے کے ۱۰ تمن

اور ۱۰ تمن کے ۱۰۰ ریال گویا ۱۰۰ روپے کے مساوی ادائیگی کے لئے دس ہزار ریال ادا کرنے پڑتے۔ روپوں کے ریال حاصل کر کے جیب ایک دفعہ تو خوب بھاری ہو جاتی لیکن پھر ہلکی بھی اسی سرعت سے ہوتی۔ ایک عام سویٹر کی قیمت قریباً چالیس ہزار ریال ہے۔

۱۸/اکتوبر ہمیں انقلاب ایران کے رہنما آیت اللہ خمینی کے مقبرے پر لے جایا گیا۔ یہ تہران سے قریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ عمارت باہر سے بہت خوبصورت لیکن اندر سے سادہ ہے، شاید اس لئے کہ ابھی زیر تعمیر ہے۔ مقبرے کے ساتھ ایک بہت بڑا کمپلکس بنایا گیا ہے جس میں ایک دانش گاہ (یونیورسٹی) اور ایک لائبریری بنانے کا منصوبہ ہے۔ اگرچہ تعطیل کا روز تھا لیکن لوگوں کی کوئی بڑی تعداد ہم نے وہاں نہیں پائی۔ لوگ قبر کے پاس جا کر دعائیہ کلمات ادا کرتے۔ بظاہر کسی قسم کی شرکیہ حرکات بھی ہم نے نہیں دیکھیں۔ مقبرے کے باہر ایک بہت بڑے سائن بورڈ کے دو اطراف مرحوم آیت اللہ خمینی کے یہ اقوال درج تھے :

"ماتا آخرین نفس تاآخرین منزل و آخرین قطره خون برای اعلاء کلمة الله ایستاده ایم"۔ "من در میان شما باشم یا نباشم به همه شما وصیت و سفارش میکنم که نگذارید انقلاب بدست نا اهلان و نامحرامان بفید"۔ یعنی: "ہم اپنے آخری سانس، آخری منزل، اور آخری قطرۂ خون تک اللہ کے کلمہ کی سربلندی کے لئے کھڑے رہیں گے!" اور "میں تمہارے درمیان موجود رہوں یا نہ رہوں لیکن سب کو وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ انقلاب کو نااہل اور ناواقف لوگوں کے حوالے نہ کر دینا!"

آج جمعہ کا روز تھا۔ پورے تہران میں صرف ایک جگہ یونیورسٹی گراؤنڈ آزادی چوک میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ جس میں وہاں کے لوگوں کے قول کے مطابق تو ۱۰ لاکھ کے قریب افراد نماز جمعہ ادا کرتے ہیں جو وسیع گراؤنڈ کے علاوہ آس پاس کی سڑکوں اور گلیوں میں بھی پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ویسے گراؤنڈ میں بھی جہاں تک نگاہ جا سکتی تھی کم از کم ڈیڑھ دو لاکھ انسان تو نظر آ ہی رہے تھے۔ خطیب ایرانی حکومت کا کوئی اہم نمائندہ ہوتا ہے۔ آج کے خطیب چیف جسٹس آیت اللہ یزدی تھے۔

ہمارے اس دورے کے دوران آیت اللہ واعظ زادہ کے پرسنل سیکرٹری حجتہ الاسلام میر آقائی مسلسل ہمارے ساتھ رہے۔ موصوف بہت خوش اخلاق پختہ عالم دین ہیں، قم سے فارغ التحصیل ہیں، انگریزی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ ان سے ہمیں بہت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔

علماء کے مابین درجہ بندی کا کیا معیار ہے۔ ۴ سال کی مذہبی تعلیم کے بعد ایک شخص ثقہ الاسلام کہلاتا ہے۔ ۱۰ سال کے بعد یہ شخص حجتہ الاسلام کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ۱۵ تا ۲۰ سال گزرنے اور کوئی اہم علمی کارنامہ سرانجام دینے کے بعد آیت اللہ مجتہد کا درجہ ہوتا ہے۔ سب سے اونچا درجہ آیت اللہ العظمٰی کا ہے جو مرجع بھی کہلاتے ہیں۔ اس وقت ایران میں کل ۱۰ مرجع ہیں۔ اس درجہ بندی کو "قم" کے علماء کا ایک بورڈ طے کرتا ہے۔

۱/۱۹ اکتوبر صبح ۸ بجے ہم "قم" کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ تہران سے قریباً ۱۶۰ کلو میٹر دور ہے۔ قم جو ایران کا سب سے بڑا مذہبی علمی مرکز ہے' یہاں نسبتاً چھوٹے علمی مدارس تو بہت ہیں لیکن دو اہم اور بڑے علمی مراکز حوضہ علمیہ اور فیضیہ ہیں۔ ہم نے ان دونوں مراکز کو دیکھا۔ قم شہر میں خوب چہل پہل دیکھی۔ خیال تھا کہ یہاں صرف علماء اور طلبہ ہی ہوں گے لیکن اس شہر میں عوام الناس کی بھی خوب آبادی ہے۔ یہاں پر ایک پبلک لائبریری نے کافی متاثر کیا اور بڑی بات یہ ہے یہ لائبریری شخص واحد کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ لائبریری ۱۹۶۸ء میں قائم کی گئی تھی۔ آیت اللہ العظمٰی المرعشی نجفی نے ذاتی دلچسپی اور محنت سے ایک لائبریری کو علم کے متلاشی افراد کا مرجع بنا دیا ہے۔ اس وقت ان کے بیٹے السید محمود المرعشی ان کے اس مشن کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں لائبریری کے اہم شعبے دکھلائے۔ سب سے اہم شعبہ قلمی نسخوں کا ہے جس میں ۲۶۳۰۰ مخطوطات ہیں۔ نادر مخطوطات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک پانچ انچ چوڑی اور قریباً ایک میٹر لمبی پٹی پر مکمل قرآن مجید ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا۔ لاطینی زبان میں ایک کتاب چمڑے پر لکھی ہوئی یہاں موجود ہے۔ ان کتابوں کو خراب ہونے سے بچانے کا مکمل جدید نظام یہاں موجود ہے۔ کتابوں کی مائیکرو فلمز بنانے کا شعبہ بھی موجود ہے' جس میں تمام جدید سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ ایک پورا شعبہ انسائیکلوپیڈیا کا ہے جس میں دنیا کی تمام زبانوں (سوائے اردو کے) میں انسائیکلوپیڈیا موجود ہیں۔ ایک دارالمطالعہ بھی ہے جہاں بیٹھ کر علم کے پیاسے اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں۔ روزانہ ۱۲۰۰ افراد اس لائبریری سے استفادہ کرتے ہیں۔ ہفتے میں دو دن صرف خواتین کے لئے مخصوص ہیں۔

ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاھب الاسلامیہ" کی قم برانچ جانا ہوا۔ اس کے انچارج محمد مہدی نجف ہیں۔ بہت ہی خوش اخلاق آدمی ہیں۔ یہاں پر قم کے علماء سے ملاقات کا پروگرام تھا۔ پانچ علماء تشریف لائے جو سب کے سب آیت اللہ کے منصب پر فائز اور اپنے اپنے فیلڈ کے ماہر تھے۔ آیت اللہ معرفتی' آیت اللہ جنّاتی' آیت اللہ

ربانی وغیرھم۔ اس محفل میں خالص علمی موضوعات زیر بحث رہے۔ قرآن میں مذکور یاجوج ماجوج کے بارے میں رائے دی گئی کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ ذوالقرنین کے حوالے سے بتایا گیا کہ ہم مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق کو صحیح سمجھتے ہیں۔ چہرے کے پردے کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی۔ نیز موجودہ بین الاقوامی صورت حال یہود کے کردار اور حزب الشیطان کے کردار اور اس کی چالوں پر گفتگو ہوئی۔ احادیث میں وارد فتنہ دجال اور الملحمۃ العظمٰی پر امیر محترم نے اپنی رائے پیش کی۔ تمام علماء نے بڑی دلچسپی سے امیر محترم کی گفتگو سنی۔ محسوس ہوا کہ شاید پہلی مرتبہ ان کے سامنے یہ ساری باتیں آ رہی ہیں۔ قیامت کے بارے میں ایک عالم دین کا خیال تو یہ تھا کہ یہ ابھی کافی دور کی بات ہے اور یہ کہ جب تک انسان تمام کائنات (Forces of nature) پر قابو یافتہ نہیں ہو جاتا قیامت نہیں آئے گی۔ توجیہہ اس کی یہ بیان کی گئی کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور نائب کے پاس بھی اصل مالک کے اختیارات کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر امیر محترم نے برجستہ کہا کہ ایسا شخص تو "دجال" ہو گا۔ جس پر ایک قہقہہ لگا۔ امیر محترم نے اپنی شیعہ سنی مفاہمت والی تجویز یہاں بھی دہرائی۔ اس پر تمام حضرات نے خاموشی اختیار کی اور مثبت یا منفی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔

۲۰/اکتوبر کے روز ہمیں تہران کی دو یونیورسٹیوں میں لے جایا گیا۔ یونیورسٹی کو دانش گاہ کہا جاتا ہے۔ دانش گاہ امام صادقؒ اصل میں پوسٹ گریجویٹ یونیورسٹی ہے اور صرف لڑکوں کے لئے مخصوص ہے۔ اس دانش گاہ میں ۸۰۰ طلبہ اور ۸ فیکلٹیز ہیں۔ رئیس دانش گاہ آیت اللہ مہدوی ہیں موصوف قبل ازیں وزیر اعظم و وزیر داخلہ بھی رہ چکے ہیں۔ ان کے معاون حجتہ الاسلام سید احمد علم الہدیٰ ہیں۔ ان سے خاصی طویل گفتگو رہی۔ یونیورسٹی کا تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس یونیورسٹی میں علوم اسلامی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے' چنانچہ یہاں مختلف فیکلٹیز کے نام کچھ یوں ہے : علوم اسلامی و سیاسیات' علوم اسلامی و اقتصادیات' علوم اسلامی و تاریخ' وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ایسی ہی ایک یونیورسٹی کا قیام ان کا ایک خواب تھا جو انہوں نے ۱۹۶۸ء میں دیکھا تھا' جس کی ایک جھلک انہیں یہاں نظر آئی ہے۔ ان کا اشارہ اس قرآن یونیورسٹی کی جانب تھا جس کا نقشہ انہوں نے اپنے کتابچے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" میں پیش کیا ہے' یعنی ایک ایسی یونیورسٹی ہو جس میں قرآن کو مرکزی حیثیت حاصل ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جدید علوم کے شعبہ جات ہوں۔ امام صادق یونیورسٹی کا تعلیمی معیار خاصا بلند ہے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ پاکستان سے بھی کچھ

طلبہ نے اس یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا لیکن اس کے سخت تعلیمی ڈسپلن کی وجہ سے وہ یہاں چل نہیں سکے۔

نماز ظہر ہم نے اس یونیورسٹی کے Paryer Hall میں ادا کی۔ نماز ظہر کے بعد امیر محترم کو ۱۵ منٹ اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امیر محترم نے دو احادیث کے حوالے سے گفتگو کی۔ حضرت نعمان ابن بشیرؓ سے مروی حدیث : "تکون النبوة فیکم ماشاء الله ان تکون......." اور حضرت ثوبانؓ سے مروی حدیث "ان اللّٰه زوٰی لی الارض............" ۔ امیر محترم کی گفتگو انگریزی زبان میں تھی جس کو اگرچہ پوری طرح تو بہت کم حضرات ہی سمجھ سکے، تاہم ان کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اصل مضمون سب کی سمجھ میں آ رہا ہے۔ ایران میں فارسی زبان کے بعد سب سے زیادہ سمجھی جانے والی زبان عربی ہے۔ خصوصاً علماء فارسی کے علاوہ اکثر و بیشتر صرف عربی جانتے ہیں اور اس پر خوب دسترس رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس دانش گاہ کے تمام طلبہ عربی سمجھ اور بول سکتے ہیں۔ بعد میں یونیورسٹی کے ایک استاد نے کہا بھی کہ کاش آپ عربی زبان میں گفتگو کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ بہرحال بعد میں بہت سے حضرات نے امیر محترم کی گفتگو کی تحسین کی۔ چند ایک طلبہ کو فارسی زبان میں "قرآن مجید کے حقوق" بھی پیش کئے گئے۔ اپنی اس گفتگو کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ ہم نے یہاں بھی "اذانِ خلافت" دے دی ہے۔ امیر محترم کا یہ خطاب ظہر اور عصر کی نمازوں کے مابین ہوا جو اہل تشیع کے یہاں "ظہرین" کے نام کے ساتھ ہی ادا کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ۱۵ منٹ کا یہ خطاب نماز ظہر کے بعد شروع ہوا اور عصر سے قبل ختم ہو گیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم دانش گاہ الزھراءؓ پہنچے۔ یہ یونیورسٹی صرف طالبات کے لئے ہے۔ البتہ اساتذہ میں مرد حضرات بھی ہیں۔ ڈاکٹر عبدالکریم شیرازی نے ہمارا استقبال کیا۔ یہاں ہمارے لئے ایک استقبالیہ بینر بھی لگایا گیا تھا۔ ڈاکٹر شیرازی Head of Theology Deptt. ہیں۔

امیر محترم نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کے قیام پر انہیں مبارکباد پیش کی۔ پاکستان میں لڑکیوں کے لئے علیحدہ یونیورسٹی کا قیام اہل پاکستان کا ایک دیرینہ مطالبہ ہے، کئی مرتبہ اس کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ ضیاء الحق مرحوم نے بھی اس کا عزم کیا تھا لیکن افسوس کہ تاحال یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ الزہراء یونیورسٹی میں .B.A.,B.Sc اور .M.A.,M.Sc کے علاوہ کچھ مضامین میں .Ph.D بھی کروائی جاتی ہے۔ بتایا گیا کہ اس وقت ۵۰۰۰ کے قریب طالبات یہاں

زیر تعلیم ہیں، جن سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ ہوسٹل میں رہائش کا بھی کوئی خرچہ نہیں لیا جاتا۔ صرف طعام کا خرچہ لیا جاتا ہے اور وہ بھی subsidised ہے۔ کل وقتی ۲۵۰ اساتذہ میں سے ۱۵۰ خواتین ہیں۔ اس کے علاوہ ۳۰۰ اساتذہ جزو وقتی یعنی visiting professors ہیں۔ یونیورسٹی کے اندر بھی تمام طالبات ایرانی حجاب میں تھیں۔ ہمیں کانفرنس روم میں بٹھایا گیا۔ تھوڑی دیر میں وائس چانسلر جناب ڈاکٹر کوصیان بھی تشریف لے آئے۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام یہیں تھا۔ کھانے کے دوران اس یونیورسٹی کے بارے میں معلومات کے علاوہ مزید موضوعات پر بھی گفتگو جاری رہی۔ انقلاب کے بعد ایران کے معاشی نظام کے حوالے سے ڈاکٹر موصوف نے تسلیم کیا کہ ہم معاشی نظام میں اسلام کے حوالے سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکے۔ وائس چانسلر نے کہا کہ ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ شیعہ سنی کے مابین بعد کو دور کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ جو شیعوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے لئے الاٹ کر لیا ہے اور سنیوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو، تو اگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو اجاگر کریں کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی والدہ بھی تھیں اور بالاتفاق "الصدیقہ الکبریٰ" بھی، اور اسلام قبول کرنے میں بھی اول تھیں، جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ بھی حضورؐ کے قدموں میں نچھاور کر دیا اور اس وقت حضورؐ کی انتہائی دلجوئی فرمائی جب خود حضورؐ پر اس نئے اور انوکھے تجربہ (وحی الٰہی کے نزول) کی وجہ سے گھبراہٹ کے آثار تھے۔ چنانچہ دونوں حلقوں کی جانب سے ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی شخصیت کو اجاگر کیا جائے تو تفرقہ کی موجودہ فضا کو ختم کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔ حاضرین نے امیر محترم کی اس رائے سے اتفاق کیا۔

سہ پہر ۴ بجے پاکستانی سفارت خانہ جانا ہوا۔ انفرمیشن سیکرٹری جنرل جناب فضل الرحمٰن صاحب نے استقبال کیا۔ پاکستانی سفیر جناب خالد محمود صاحب سے ایران میں موجود پاکستانیوں کے مسائل پر بھی گفتگو ہوئی۔ تہران میں پاکستانی سکول کرایہ کی ایک عمارت میں ہے جو کافی شکستہ بھی ہے۔ یہاں پر موجود پاکستانی سکول کے لئے نئی اور وسیع تر عمارت خریدنا چاہتے ہیں لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر اجازت نہیں مل رہی۔ دیگر باہمی دلچسپی کے موضوعات بھی زیر بحث آئے۔

رات کا کھانا دانش گاہ مذاہب الاسلامی کے رئیس ڈاکٹر تیریان کے ہاں تھا۔ یہ دانش گاہ ابھی حال ہی میں قائم کی گئی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کی رہائش بھی اسی عمارت میں ہے۔

Comparative Study کے اس پوسٹ گریجویٹ کالج میں طلبہ کی تعداد ۱۰۰ ہے۔ طلبہ سے کوئی فیس نہیں لی جاتی بلکہ چیدہ طلبہ کو وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ کھانے کے موقع پر چند مزید شخصیات سے بھی ملاقات ہوئی جیسے ڈاکٹر سید مصطفیٰ میر داماد جو تہران یونیورسٹی میں visiting professor ہیں۔ مولانا اسحاق مدنی سے بھی یہیں ملاقات ہوئی۔ مولانا اسحاق مدنی کا تعلق ایرانی بلوچستان سے ہے۔ کراچی سے فارغ التحصیل ہیں اور اس وقت صدر ایران رفسنجانی کے مذہبی مشیر برائے سُنّی امور ہیں۔ مولانا اسحاق مدنی جب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی کے ہمراہ دورۂ پاکستان کے موقع پر ان کے ہمراہ قرآن اکیڈمی تشریف لائے تھے' ان سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی۔

کھانے کے اس اجتماع کے موقع پر بھی مختلف موضوعات پر گفتگو جاری رہی۔ امیر محترم نے انجمن و تنظیم کا تعارف اور ان کے دائرہ کار کو واضح کیا۔ سیرت نبویؐ کی روشنی میں اپنے منہج انقلاب کو واضح کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے جناب خمینی کی سربراہی میں برپا کیا گیا انقلاب ایران مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ افغانستان کی صورتحال اور اس میں طالبان کا کردار بھی زیر بحث آیا۔ امیر محترم نے سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کے بعد اب عوام الناس کی جانب سے اس انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے یا کمی ہو رہی ہے؟ یہ سوال چونکہ بالکل غیر متوقع تھا اس لئے پہلے تو گول مول سا جواب ملا کہ عوام حکومتی اجتماعات میں کثیر تعداد میں شریک ہوتے ہیں' نیز یہ کہ انقلاب مخالف لوگ اگرچہ موجود ہیں لیکن بہت قلیل تعداد میں اور دبے ہوئے ہیں۔ لیکن بعد ازاں جناب غفاری نے تسلیم کیا کہ انقلاب کے بعد لوگوں کے لئے معاشی مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں کچھ تو بین الاقوامی مہنگائی اور بہت سے ممالک کی جانب سے تجارتی بائیکاٹ بھی ایک عامل ہے۔ نیز ۸ سال کی ایران عراق جنگ نے معیشت کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ تاہم جناب غفاری نے کہا کہ حکومت ایران نے بہت سے ترقیاتی منصوبے شروع کر رکھے ہیں' مثلاً بیسیوں کی تعداد میں ڈیم تعمیر ہو رہے ہیں' سینکڑوں فیکٹریاں زیر تعمیر ہیں' ظاہر ہے کہ حکومت کو ان منصوبوں پر کثیر رقم خرچ کرنا پڑ رہی ہے' لہٰذا عوام کے لئے معاشی مسائل تو یقیناً ہیں' لیکن جناب غفاری نے کہا کہ عوام اس بات کو سمجھتے ہیں اور بقول ان کے انقلاب کی حمایت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایران میں بعض اداروں میں تو مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار کو علیحدہ کیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر اس کا اہتمام نہیں ہے' مثلاً مردوں کے ہسپتال میں خواتین نرسیں کام کرتی ہیں۔ ایئر ہوسٹس کسی محرم کے

بغیر دور دراز کا سفر کرتی ہیں جو دینی تعلیمات کے خلاف ہے۔ جناب غفاری نے اس ضمن میں بھی حکومت کی کوتاہی کا اعتراف کیا۔

۲۱/اکتوبر۔ آج صبح ۹ بجے پاکستانی سکول میں اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات اور خطاب کا پروگرام تھا' لیکن امیر محترم کی طبیعت اچانک بہت ناساز ہوگئی جس کی بنا پر یہ پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ ساڑھے دس بجے رہبر انقلاب جناب آیت اللہ خامنہ ای سے ملاقات کا وقت طے کیا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ پیر کا روز علماء اور اہم شخصیات سے ملاقات اور بدھ کا دن عوام الناس کے لئے مختص ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ہماری ان سے ملاقات اسی اجتماعی ملاقات کے حوالے سے تھی' خصوصی نہ تھی۔ تاہم یہ اجتماعی ملاقات ایک لحاظ سے ہمارے حق میں بہتر ہی ثابت ہوئی جس کا ذکر ابھی آئے گا۔ رہبر انقلاب کے لئے سیکورٹی کے بہت سخت انتظامات کئے جاتے ہیں۔ ملاقاتی کو کوئی چیز اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں۔ ہماری گھڑیاں' پن' بٹوے' ڈائریاں وغیرہ سب رکھوالی گئیں۔ کسی کیمرے یا ٹیپ ریکارڈر کے لے جانے کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ اس سب کے باوجود دو مرتبہ ایک خاص دروازے (غالباً Metal Detector) سے بھی گزارا جاتا ہے اور تلاشی بھی لی جاتی ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ عین اس موقع پر آیت اللہ تسخیری تشریف لے آئے جن کی وجہ سے امیر محترم کے لئے بہت آسانی پیدا ہوگئی۔ رہبر انقلاب جناب خامنہ ای سے اجتماعی ملاقات میں تقریباً ۵۰ کے قریب حضرات موجود تھے۔ کچھ لوگ اپنے مسائل بھی بیان کر رہے تھے جو فارسی زبان میں بیان کئے جانے کے سبب ہمارے لئے ناقابل فہم تھے۔ تھوڑی دیر بعد جناب خامنہ ای ہماری جانب متوجہ ہوئے اور مختصر سی گفتگو میں ہمارے (امیر محترم + وفد) لئے استقبالی اور خیر سگالی کے کلمات کہے۔ امیر محترم نے اپنی جوابی تقریر میں شکریہ کے بعد اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروایا۔ تنظیم اسلامی کے ہدف اور اس کے طریق کار خاص طور پر انقلاب کے آخری مرحلہ کے لئے انقلاب ایران سے رہنمائی حاصل کرنے کا تذکرہ کیا۔ نیز پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرنے کے بعد اس مفاہمت کے لئے اپنے فارمولے کا ذکر کیا۔ گویا امیر محترم نے مختصر الفاظ میں تنظیم اسلامی کی دعوت اور اس وقت کے بین الاقوامی حالات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا۔ یہ ملاقات اس لحاظ سے اہم تھی کہ ساری باتیں ایران کی اس وقت کی سب سے بڑی شخصیت کے ساتھ ساتھ بہت سے اہم حضرات کے سامنے بھی آگئیں اور اس طرح یہ "اجتماعی ملاقات" ایک اعتبار سے مفید تر ہوگئی۔ جناب خامنہ ای نے بعد میں فرمایا کہ آپ کی باتیں بڑی قیمتی اور قابل

غور رہیں۔

چار بجے سہ پہر پریس کانفرنس سے خطاب تھا۔ بتایا تو یہی گیا تھا کہ یہ پریس کانفرنس انگریزی زبان میں ہو گی لیکن وہاں موجود اکثر صحافی انگریزی سے ناواقف نکلے' لہٰذا دو طرفہ ترجمانی کی وجہ سے کافی وقت صرف ہو گیا۔ امیر محترم نے قریباً ۲۰۔۲۵ منٹ خطاب کیا۔ امیر محترم نے تفصیلاً اپنا اور اپنے مشن کا تعارف کروایا۔ تنظیم اسلامی کے اہداف' اس کے طریق کار اور تنظیمی اساس کا ذکر کیا۔ گویا بیعت کا تذکرہ یہاں بھی تفصیل سے ہو گیا۔ نظام خلافت کی بات بھی ہوئی اور یہ کہ تنظیم اسلامی اولاً پاکستان اور بالآخر پوری دنیا پر نظام خلافت کی جدوجہد کے لئے قائم کی گئی ہے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہمارا ہدف اگرچہ بہت بلند ہے لیکن ہماری تعداد ابھی بہت تھوڑی ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ بات باعث اطمینان ہے کہ ہم اپنی فہم اور سوچ کے مطابق سیرت کی روشنی میں صحیح سمت میں گامزن ہیں۔

امیر محترم نے فرمایا کہ پاکستان اور ایران میں حقیقی دوستی اور تعاون کی شکل تبھی پیدا ہو سکتی ہے جب پاکستان میں بھی اسلامی حکومت قائم ہو جائے۔ پاکستان میں نظام خلافت کے لئے شیعہ سنی مفاہمت ضروری ہے اور اس کے لئے واحد قابل عمل فارمولا وہی ہے جس کا تذکرہ ایران کے آئین میں کر دیا گیا کہ چونکہ اکثریت شیعہ مسلمانوں کی ہے لہٰذا یہاں پبلک لا تو فقہ جعفریہ کے مطابق ہو گا ہاں البتہ پرسنل لاء میں سنیوں کو آزادی ہو گی کہ وہ اپنی عبادات اور نکاح' طلاق کے معاملات کو اپنی فقہ کے مطابق طے کر لیں۔ جناب آیت اللہ واعظ زادہ کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا کہ جناب خمینی کا موقف یہی تھا کہ مسلمان ممالک میں جس فقہ کو ماننے والوں کی اکثریت ہو وہاں پبلک لاء وہی ہو گا' تاہم دوسرے لوگوں کو پرسنل لاء میں مکمل آزادی ہو گی۔ اسی اصول کو اگر پاکستان میں ہمارے شیعہ بھائی تسلیم کر لیں تو یہاں نفاذ اسلام میں بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی۔ اسی صورت میں پاکستان' ایران' افغانستان اور روسی ترکستان کی نو آزاد مسلم ریاستوں پر مشتمل مضبوط اسلامی بلاک نیو ورلڈ آرڈر کا مقابلہ کر سکتا ہے ورنہ ہمارا دشمن ہمیں ایک ایک کر کے اپنا ٹارگٹ بنا کر اپنا مقصد حاصل کر لے گا اور ہم کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ میں ایران کے عوام اور حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے تعلقات کو جو ان کے پاکستان میں شیعہ حضرات کے ساتھ ہیں استعمال کرتے ہوئے انہیں اس فارمولا کو قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

امیر محترم کے بیان کے بعد چند ایک سوالات بھی کئے گئے' مثلاً ایک سوال یہ تھا کہ کیا

پاکستان میں جو انقلاب پیش نظر ہے وہ نظریاتی ہو گا یا سیاسی؟ امیر محترم نے فرمایا کہ سیاست اسلام کا جزو ہے اس لئے یہ ایک مکمل انقلاب ہو گا' لیکن یہ الیکشن کی سیاست سے نہیں آئے گا۔ کیا خمینی الیکشن کے ذریعے ایران میں انقلاب لا سکتے تھے؟ ہرگز نہیں! اسی طرح ہم پاکستان میں الیکشن کے ذریعے اسلامی انقلاب نہیں لا سکتے۔ ایک سوال یہ تھا کہ کیا باہر کی حکومتیں پاکستان میں شیعہ سنی فرقہ بندی کو ہوا دے رہی ہیں؟ امیر محترم نے جواب دیا یقیناً! چنانچہ امریکی دانشور Huntington کے مقالے The Clash of civilizations? کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۔ "نیشِ عقرب نہ از پئے کین است۔ اقتضائے طبیعتش این است" کے مصداق ہمارے دشمن کی دشمنی کا تقاضا ہے کہ وہ ہمیں کمزور کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرے۔ یہ تو ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم اس کا توڑ کیسے کر سکتے ہیں۔

یہ پریس کانفرنس بہت سے اعتبارات سے بڑی اہم رہی' لیکن افسوس کہ میڈیا نے اس کو زیادہ نمایاں نہیں کیا' بلکہ محسوس ہوا کہ ذرائع ابلاغ کی جانب سے ہمارے دورے سے صرف نظر کی پالیسی اپنائی گئی تھی۔ مثلاً رات کو ٹیلی ویژن کی خبروں میں جناب خامنہ ای کی آج کی اجتماعی ملاقات کو ٹیلی کاسٹ کیا گیا جس میں بقیہ حاضرین کو تو دکھایا گیا ہماری کوئی جھلک نہیں آنے پائی۔ ٹیلی ویژن کا تذکرہ آیا ہے تو ایرانی ٹیلی ویژن کی جو بات قابل تعریف ہے اس کو بیان نہ کرنا زیادتی ہو گی کہ ایرانی ٹیلی ویژن عریانی اور فحاشی سے مکمل طور پر پاک ہے۔ پروگرام عموماً بامقصد ہوتے ہیں۔ عورت کو دکھایا بھی جاتا ہے تو "حجاب" میں اور میک اپ کے بغیر۔ جو تھوڑے بہت ڈرامے دکھائے جاتے ہیں ان میں بھی عورت "حجاب" میں ہوتی ہے۔ غرضیکہ آپ ایرانی ٹیلی ویژن کو بلا جھجک اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکتے ہیں' جو پاکستان میں تو ناممکن ہے۔

پریس کانفرنس کے بعد ریڈیو کی عربی سروس والوں نے امیر محترم کا ۱۵ منٹ کا انٹرویو ریکارڈ کیا جبکہ اردو سروس کے نمائندے سید امیر علی ہوٹل میں انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لئے آئے۔ یہ انٹرویو تقریباً ایک گھنٹہ پر مشتمل تھا۔ ریڈیو کی اردو سروس کو امیر محترم نے اپنی کتابوں کا مکمل سیٹ ہدیتاً پیش کیا۔ اردو سروس کے عملے کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ اگلے ہی روز انہوں نے اس انٹرویو کی آڈیو کیسٹ ہمیں فراہم کر دی۔

۲۲/ اکتوبر۔ آج کا دن مشہد کے لئے مختص تھا۔ اہل تشیع کے نزدیک یہ نہایت مقدس شہر ہے جس میں ان کے آٹھویں امام جناب علی رضاؑ مدفون ہیں۔ شیعہ حضرات ان کے مزار کو حرم

کہتے ہیں۔ یہ شہر تہران سے تقریباً ۹۵۰ کلو میٹر دور ہے۔ فلائٹ نے ایک گھنٹہ دس منٹ لئے۔ ہمارے لئے یہاں کا visit اس لئے بھی اہم تھا کہ ہمارے اصل میزبان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ملاقات یہیں ہونا تھی۔ یاد رہے کہ مشہد ایران کے موجودہ صوبہ خراسان کا ایک اہم شہر ہے۔ جبکہ وہ خراسان جو کہ حضور ﷺ کے وقت میں تھا اور جس کو اہل ایران کی اصطلاح میں "خراسانِ بزرگ" کہا جاتا ہے' ایران کے اس حصے کے علاوہ تقریباً پورے افغانستان' روسی ترکستان اور پاکستان کے شمالی علاقے کے ایک اہم حصے پر مشتمل ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اسی "خراسانِ بزرگ" کے بارے میں حضور کی پیشین گوئی موجود ہے کہ یہاں سے سیاہ پرچم چلیں گے (یعنی اسلامی افواج) جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی یہاں تک کہ وہ ایلیا (بیت المقدس) میں نصب کر دیئے جائیں گے۔

مشہد میں ہمیں ایک بہت بڑی لائبریری دکھائی گئی جو اپنی نوعیت کی منفرد لائبریری ہے۔ اپنی خوبصورتی' وسعت' اور جدید سہولیات کے حوالے سے اس کا visit ہمارے لئے ایک خوشگوار حیرت کا سبب بنا۔ لائبریری کی عمارت تین منزلہ ہے۔ ایک بہت بڑا سمپوزیم اور دو وسیع و عریض دار المطالعہ ہیں۔ کتابوں کی تعداد ۵ لاکھ ہے۔ Cataloging کا نظام پوری طرح سے کمپیوٹرائزڈ ہے۔ لائبریری کی اپنی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے درمیان میں ایک ستون نبی اکرم ﷺ کے ورودِ یثرب کے موقع پر تعمیر ہونے والی مسجد یعنی مسجد قبا کی اولین تعمیر کی طرز پر بنایا گیا ہے جس کے درمیان کھجور کے تنے کا واحد ستون تھا۔ چھت پر لکڑی کا کام بہت عمدہ انداز میں کیا گیا ہے۔ چاروں کونوں میں "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کے الفاظ روشنی پھیلاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ جگہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اسی کے ساتھ ایک کمپلیکس میں "دانش گاہ" بھی ہے۔ اسی دانش گاہ میں ہماری ملاقات جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے ہوئی۔ جناب واعظ زادہ انگریزی زبان نہیں سمجھ سکتے لہٰذا مترجم کے ذریعے گفتگو ہوئی۔ "دانش گاہ" کا تعارف کروایا گیا۔ اس وقت ۲۰۰ طالب علم یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے لئے تعلیم' رہائش' کھانا اور دیگر روزمرہ کی ضروریات بالکل مفت مہیا کی جاتی ہیں۔

لائبریری اور دانش گاہ ایک بہت بڑے کمپلیکس پر محیط ہیں۔ امیر محترم نے اگرچہ اکثر و بیشتر وہیل چیئر کی سہولت سے استفادہ کیا جو ہم پاکستان سے ہی ساتھ لے گئے تھے لیکن بعض جگہوں پر سیڑھیاں بھی تھیں اور کچھ پیدل چلنے کی وجہ سے امیر محترم تکان محسوس کر رہے تھے لہٰذا دوسرا امیر محترم نے ہوٹل میں آرام کیا۔ ہمارا ارادہ تھا کہ ہم اس دوران بازار کا ایک چکر

لگالیں گے لیکن معلوم ہوا کہ یہاں "قیلولہ" کے لئے دوپہر کے اوقات میں تمام بازار بند رہتے ہیں۔ناچار ہمیں بھی آرام کرنا پڑا۔

شام کو جناب علی قمی صاحب سے ملاقات ہوئی۔یہ لاہور میں ۵ سال تک قونصل جنرل کے عہدہ پر فائز رہے ہیں۔ آج کل وزارت خارجہ سے منسلک ہیں اور مشہد میں قیام پذیر ہیں۔ رات کی فلائٹ سے ہم واپس تہران کے لئے عازم سفر ہوئے۔اس سفر میں جناب آیت اللہ واعظ زادہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔

۲۳/اکتوبر ہماری پاکستان واپسی کا دن تھا۔ جناب واعظ زادہ نے ناشتہ ہمارے ساتھ ہوٹل ہی میں کیا جہاں قریباً ایک گھنٹہ تک امیر محترم کی ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو جاری رہی۔ مثلاً اسلامی حکومت میں تنازعات کے حل کے لئے کس سے رجوع کیا جائے۔جناب واعظ زادہ نے تسلیم کیا کہ ہمارے ہاں اس قسم کے ادارے ابھی پوری طرح مستحکم نہیں ہوئے' ابھی تو شخص واحد (رہبر انقلاب) کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔ ریاستی سطح پر ابھی بہت سی باتیں یہاں طے کرنا باقی ہیں۔امیر محترم نے اپنا فکر پیش کیا کہ آج کے حالات میں تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں قابل عمل صورت یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ اس کا فیصلہ کریں جبکہ علماء اور اہل علم اپنے دلائل کے ذریعے عدالتوں کی رہنمائی کریں۔ اس ضمن میں اگر شخص واحد یا علماء کے بورڈ کے حوالے یہ کام کر دیا جائے تو یہ روح عصر کے منافی ہو گا۔امیر محترم نے محسوس کیا کہ اگر خطبات خلافت کا فارسی ترجمہ کر کے ہم ان حضرات تک پہنچا سکیں تو شاید ہمارا نقطۂ نظر ان حضرات پر اچھی طرح واضح ہو جائے!

اس کے علاوہ بھی بہت سے علمی مسائل زیر بحث آئے جن سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں ہے۔مقامی وقت کے مطابق ۹ بجے میزبان جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی سے رخصت ہو کر ہم "فرودگاہ" یعنی ایئرپورٹ کی جانب روانہ ہوئے۔ رخصت کرتے وقت جناب آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی نے ایک طغرہ اور مختلف کتابیں ہدیتاً پیش کیں۔

اس پورے سفر کے دوران جناب واعظ زادہ کے پرسنل اسسٹنٹ میر آقائی' جناب عبدالحمید طالبی اور جناب انصاری نے ہر وقت ہماری ضروریات کا خیال رکھا اور حق میزبانی ادا کر دیا۔ عربی زبان میں "سفر" کے معنی روشنی کے بھی ہیں اور یقیناً سفر سے حقائق و واقعات کے ضمن میں روشنی حاصل ہوتی ہے۔ بہرحال اس سفر سے جو روشنی ہمیں حاصل ہوئی اس کا کچھ حصہ میں نے آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔ ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

دورہ ایران

مشاہدات و تاثرات

امیر تنظیم اسلامی کا یکم نومبر ۹۶ء کا خطاب جمعہ

شائع شدہ "میثاق" دسمبر ۱۹۹۶ء

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد فرمایا :

مجھے آج اپنے "دورۂ ایران کے تاثرات و مشاہدات" کے موضوع پر گفتگو کرنا ہے۔ یہ موضوع جہاں طوالت طلب ہے' وہاں نہایت نازک اور حساس بھی ہے' کیونکہ اس معاملے میں ذرا سا بھی ادھر ادھر ہو جانے سے بہت سے فتنے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اپنے خیالات کو مرتب کرلوں۔ پھر یہ کہ اس دورے کے تاثرات و مشاہدات کے بیان سے قبل مجھے اس کا کچھ پس منظر بھی بیان کرنا ہے تاکہ پوری بات یکجا اور واضح ہو کر سامنے آجائے۔ وقت محدود ہے' تاہم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ "مَا قَلَّ وَدَلَّ" کی کیفیت عطا فرمادے اور میں اپنے موضوع کو کم وقت میں سمیٹ لوں۔

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سنی مسئلہ کے بارے میں اپنا ذاتی موقف ترتیب وار نکات کی صورت میں واضح کردوں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

پہلا نکتہ حقیقی فرقے دو ہیں

میں نے بارہا کہا ہے اور اب بھی اس موقف پر قائم ہوں کہ مسلمانوں میں حقیقی فرقے صرف دو ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرا سُنّی! باقی تقسیمیں بھی اگرچہ موجود ہیں اور ان کے درمیان شاید محاذ آرائی بھی پائی جاتی ہے' تاہم وہ فرقے نہیں بلکہ مختلف مکاتب فکر' مسالک اور فقہی مذاہب ہیں' جیسے حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی اور سلفی وغیرہ۔

اس کے بعد احناف میں دیوبندی اور بریلوی کی ذیلی تقسیم بھی ہے اور ان دنوں کے مابین شدید تلخی اور کشیدگی موجود ہے' لیکن یہ دونوں اصلاً ایک ہی فقہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کے بنیادی تصورات تقریباً ایک جیسے ہیں۔ اہلِ تسنّن کی طرح اہلِ تشیع میں بھی ذیلی تقسیم موجود ہے۔ مثلاً اسماعیلی اور اثنا عشری وغیرہ۔

دوسرا نکتہ : میرا تعلق اہلِ سُنّت سے ہے

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں زور دے کر کہہ رہا ہوں کہ میں سنی مسلمان ہوں اور اہل سنت کی ذیلی تقسیموں سے قطع نظر اپنے نام کے ساتھ "اہل سنت" کا سابقہ برقرار رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فقہی معاملات میں اکثر و بیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو بڑے بڑے مسلم فلاسفہ اور متکلمین کا عقائد کے بارے میں رہا ہے' جیسے امام رازی نے اپنے انتقال کے وقت کہا تھا : "اَمُوتُ عَلٰی عَقِیدَۃِ اُمِّی" (میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر جان دے رہا ہوں) یعنی مختلف کلامی بحثیں' ان کی تفاصیل اور دلائل اپنی جگہ لیکن ان کا بنیادی عقیدہ بقول ان کے وہی تھا جو ان کی والدہ کا تھا۔ بعینہٖ یہی معاملہ میرا ہے۔ فقہی معاملات میں اکثر و بیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو میرے والدین کا تھا۔ وہ حنفی المسلک تھے (غَفَرَاللّٰہُ لَھُمْ) مَیں بھی اکثر و بیشتر احناف کی پیروی کرتا ہوں۔

لیکن جن معاملات میں کسی وجہ سے تحقیق و تفتیش کی ضرورت پیش آجائے تو میں نے ان کے ضمن میں اپنے لئے دو باتیں طے کی ہیں۔

اولاً : یہ کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اہل سنت کے چاروں مکاتب فکر حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی متفق ہوں تو وہ معاملہ اگرچہ عقلاً میری ذاتی رائے میں نہ آئے تب بھی اس میں تقلید کا پابند ہوں اور ان مسالک سے باہر نکلنے کو جائز نہیں سمجھتا' کیونکہ ایسا تو صرف مجتہدِ مطلق ہی کر سکتا ہے جبکہ میں تو محض "مجتہد" ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

ثانیاً : اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس کے متعلق ہمارے مکاتب فکر کے درمیان اختلاف رائے پایا جائے تو اس میں ترجیح کا معاملہ کر لیتا ہوں۔ جدید فقہی اصطلاح میں اسے "تلفیق بین المذاھب" کہا جاتا ہے۔ اسے اگرچہ بعض لوگ جرم سمجھتے ہیں'

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اس اعتبار سے جس موقف پر میں ایران گیا تھا' اسی پر واپس آیا ہوں' میرے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اگرچہ میرے بعض تاثرات بہت گہرے ہیں اور ان سے میں نے اثر بھی قبول کیا ہے (جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا) لیکن ان کا نتیجہ یہ نہیں کہ اہل تشیع کی طرف میرا کوئی میلان ہو گیا ہو یا ان کے ضمن میں میرے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے' مجھے اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ سُنّی مسلمانوں کی تنظیم ہے' البتہ یہ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور سلفی مسالک کے اختلافات سے بالاتر ہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتا ہو' تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔

تیسرا نکتہ : من حیث الجماعت اہل تشیّع کی تکفیر جائز نہیں

اہل تشیع کی من حیث الجماعت تکفیر کا میں قائل نہیں ہوں اور نہ ہی میرا ماضی میں کبھی یہ موقف رہا ہے' بلکہ میں انہیں مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ سپاہ صحابہ پاکستان کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی مرحوم کے جوش و جذبے اور خلوص و اخلاص کا میں بہت معترف اور قائل رہا ہوں لیکن اہل تشیع کی تکفیر کے بارے میں ان کے موقف سے مجھے کبھی اتفاق نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے کبھی ان کے موقف کی تائید و حمایت نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد ایک تعزیتی جلسہ میں تقریر کے لئے مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں نے جب ان کی زندگی میں ان کے موقف کی تائید نہیں کی تو ان کے انتقال پر اپنی "سیاسی دوکان" چمکانے کے لئے جلسہ میں تقریر کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔

جہاں تک انفرادی طور پر کسی شخص واحد کی تکفیر کا سوال ہے تو اس میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی رائے کا قائل ہے جو خلاف اسلام ہے' لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اسے چھپاتا ہے تو اس کی تکفیر بھی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ کوئی

شخص کسی خلاف اسلام عقیدہ کا قائل ہو' اور اس کا برملا اظہار بھی کرتا ہو تو اسے بلا ریب کافر قرار دے کر دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ قادیانیوں کو اگرچہ من حیث الجماعت کافر قرار دیا گیا ہے لیکن ان کا معاملہ اہل تشیع سے بالکل مختلف ہے' اس لئے کہ انہوں نے برملا کہا تھا کہ ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

چوتھا نکتہ : شیعہ اور سُنّی مذاہب میں فرق

اب آیئے' اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ شیعہ اور سنی مذاہب میں کیا فرق ہے اور یہ فرق کس اعتبار سے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ایمانیاتِ ثلاثہ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ جیسے بنیادی عقائد کا تعلق ہے' ان میں اہل تشیع اور اہل سنت میں کوئی فرق نہیں ہے' البتہ بعض کلامی بحثوں میں اختلافات ضرور موجود ہیں۔ مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ' کہ آیا صفاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کا عین ہیں یا اللہ تعالیٰ سے جدا ہیں؟ بقول اقبال ؎

ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عینِ ذات؟
اُمّتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

ذات و صفات الٰہی کا یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ اور لاینحل ہے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں تین مکاتب فکر وجود میں آئے ہیں۔ ایک انتہا پر معتزلہ ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ صفاتِ الٰہی کا وجود ہے ہی نہیں' دوسری انتہا پر اشاعرہ ہیں اور درمیان میں ماتریدیہ ہیں۔ احنافِ زیادہ تر اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تینوں مکاتب فکر کے نقطۂ نظر میں اختلاف کے باوجود اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ کو گمراہ تو قرار دیا لیکن کبھی بھی ان کی تکفیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح ایمانیاتِ ثلاثہ کے ضمن میں اہل تشیع کے نقطہ نظر میں جزدی یا ثانوی اختلافات کی بنا پر انہیں کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ جہاں تک اہل تشیع کے "امامتِ معصومہ" کے عقیدہ کا تعلق ہے' وہ میرے نزدیک بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک معصومیت صرف خاصۂ نبوت و رسالت ہے۔ اب چونکہ نبوت و رسالت کا دروازہ ابد الآباد تک بند ہو چکا

ہے اس لئے معصومیت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرات ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ انتہائی برگزیدہ اور قابل احترام ہستیاں تھیں' لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو بھی "معصومیت" کی صفت سے متصف قرار نہیں دیا جا سکتا' ان سے بھی "اجتہادی" خطائیں ہو سکتی تھیں۔ اس عقیدہ کے حوالے سے تین باتیں قابل غور ہیں :

پہلی بات یہ کہ اگرچہ اہل تشیع امامتِ معصومہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اپنے ائمہ کو بعض ایسے خصائص اور صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جو صرف نبوت کا خاصہ ہیں' تاہم وہ ائمہ کو نبی کے ہم پلہ نہیں کہتے۔ چنانچہ امامت معصومہ کا تصور بہرحال نبوت سے کم تر درجے کی چیز ہے۔ اس لئے اس بنا پر ان کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ دیکھئے' قانونی اعتبار سے اصول یہ ہے کہ کسی جرم پر سزا دینے کے لئے اس جرم کی کوئی مقدار معین ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام میں چوری کی سزا "قطعِ ید" ہے' لیکن اس کے لئے وضاحت کی گئی ہے کہ کتنی بڑی چوری پر اس سزا کا اطلاق ہو گا اور کون کون سی چوریاں اس سزا سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مثال کے طور پر مشترکہ مال میں سے چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا۔ اگر کوئی شخص سڑک پر مال ڈال دیتا ہے' وہ غیر محفوظ ہے' اگر اسے کوئی شخص اٹھا کر لے جاتا ہے تو اس پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' اس سے کم تر سزا دی جائے گی۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ امامتِ معصومہ کا ہے کہ اس میں نبوت کی کچھ خصوصیات تو یقیناً مانی جاتی ہیں لیکن اسے نبوت تو نہیں مانا جاتا۔ لہٰذا اس سے شدید اختلاف کیا جا سکتا ہے' اسے انتہائی ضلالت و گمراہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

دوسرے یہ کہ امامتِ معصومہ کا وہ تصور جس کی بنا پر امام کو نبی کا مقام دیا جاتا ہے' وہ بالفعل صرف "آغاخانیوں" کے ساتھ مخصوص ہے' جن کے امام حاضر پرنس کریم آغا خان ہیں۔ وہ جب پاکستان آتے ہیں تو انہیں ایک صدر مملکت کی طرح پروٹوکول دیا جاتا ہے' انہیں C130 جہاز دیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ اسلام آباد سے گلگت اور چترال جاتے ہیں' انہیں معصوم عن الخطا سمجھا جاتا ہے' احکامِ شریعت میں کمی بیشی اور حلال و حرام کے بارے میں انہیں صاحب اختیار تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی ہر بات قابل اتباع سمجھی جاتی

ہے۔ امامتِ معصومہ کا یہ عقیدہ تو بلاشبہ بدترین گمراہی ہے' لیکن یہ صرف آغاخانیوں کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں کے اثنا عشری شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اس اعتبار سے تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے کہ ان کے پہلے گیارہ امام تو اسلام کے ابتدائی اڑھائی سو برسوں کے دوران آگئے' لیکن ان کا بارھواں امام معصوم ابھی تک "غائب" ہے۔ گویا وہ ساڑھے بارہ سو برس سے کسی ایسے امام کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں جو معصوم عن الخطا ہو' جس کا حکم ماننا لازم ہو' جس کو مامور من اللہ سمجھا جائے' اور جو قرآن کی تشریح و توضیح کر سکے۔ چنانچہ اب ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اجتہاد کریں۔ یہ اجتہاد ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ہم بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے اور وہ بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے۔ البتہ ان کے سُنّت کے ذرائع (Sources) ہم سے مختلف ہے۔

اجتہاد کے ضمن میں اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ اجتہاد کے ادارے (Institution) کو فی الواقع صرف اہل تشیع نے زندہ رکھا ہے۔ اہلِ سُنّت نے تو عرصہ دراز سے اپنے اوپر اس کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔

<u>پانچواں نکتہ : مہدیٔ موعود کے بارے میں دونوں فرقوں کا عقیدہ</u>

جہاں تک "الامام المہدی" کی شخصیت کا تعلق ہے' اس پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا اس اعتبار سے اتفاق ہے کہ قیامت سے قبل ایک بڑی شخصیت ظاہر ہوگی۔ البتہ اس بارے میں ہمارے اور اہل تشیع کے نقطہ نظر میں یہ فرق ہے کہ ہم "مہدی" کو مجدد مانتے ہیں' میرے نزدیک وہ آخری اور کامل مجدد ہوں گے' جبکہ اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ یہ وہ بارہ سو برس سے روپوش رہنے والے "امام غائب" ہیں' جو ظاہر ہوں گے۔ گویا وہ انہیں معصوم بھی سمجھتے ہیں لیکن ہم معصوم نہیں سمجھتے۔

امام مہدی کی آمد کے حوالے سے ایک واقعہ لطیفہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔ میں نے ایک شیعہ عالم دین سے پوچھا کہ اگر آپ کے عقیدے کے مطابق وہی امام غائب حاضر ہو

جائیں اور دعویٰ کریں کہ میں مہدی ہوں تو کیا سارے شیعہ انہیں تسلیم کرلیں گے؟ انہوں نے ہنس کر کہا : "نہیں! بہت سے یہ کہہ دیں گے کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ (گویا "امام غائب" کے نام سے اپنی دوکان چمکانے کی بات اور ہے اور ان کے "ظہور" پر انہیں فی الواقع مان لینا دوسری بات ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہودی حضورؐ کی آمد کے منتظر تھے لیکن چونکہ آپؐ پر ایمان لانے سے ان کی چودھراہٹیں اور قیادتیں داؤ پر لگ رہی تھیں' اس لئے ایمان نہیں لائے۔)

اہل تشیع اور اہل سنت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے۔ پھر یہ کہ عرب کے مقدس شہر مکہ مکرمہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ گویا عملی اعتبار سے امامت معصومہ کے بارے میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے دونوں فرقوں میں اگرچہ کچھ فرق ضرور ہے تاہم بالفعل وہ بھی نظر نہیں آتا۔

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ جہاں تک قرآن حکیم کی محفوظیت کا تعلق ہے اس پر کم از کم اہل تشیع کے وہ علماء جو اس وقت ایران میں برسر اقتدار ہیں قطعاً کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے علاوہ کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو تو دوسری بات ہے۔

چھٹا نکتہ : خلفائے راشدین کے بارے میں دونوں فرقوں کا نقطۂ نظر

اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اصل بنائے نزاع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفائے راشدین کی حیثیت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر ہے۔ اور اس ضمن میں دونوں فرقوں کے مابین شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا شخصیات کے بارے میں تاریخی نزاع ہے۔ یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسے دیوبندیت اور بریلویت کا سارا اختلاف' جو گزشتہ صدی کی دو شخصیات شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی اور موجودہ صدی کی دو شخصیات مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات میں کوئی قابل ذکر فرق

موجود نہیں ہے' بلکہ شخصیات کے اس نزاع سے پہلے بریلویت کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ اسی طرح اس بار راولپنڈی میں ہمارے سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک ممتاز شیعہ عالم دین نے واضح کیا کہ ان کے نزدیک امامت اور خلافت میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے' بلکہ امامت' خلافت اور امارت ایک ہی شے کے تین نام ہیں۔ لیکن شخصیات کے بارے میں اختلاف بہرحال موجود ہے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کے بارے میں تمام مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ ایک انتہا پر غالی شیعہ ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؓ پہلے امام بھی ہیں اور اصلاً پہلے خلیفہ بھی' حضورؐ کے بعد آپؐ کی خلافتِ بلافصل انہی کا حق تھا' لیکن ابوبکر' عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نے ہر بار ان کا حق غصب کر کے خلافت حاصل کر لی۔ اس طرح یہ تینوں خلفاء (معاذ اللہ) غاصب تھے اور ان کی خلافت باطل تھی۔ رہا معاملہ حضرت علیؓ کا ان اصحاب کی بیعت کرنے کا' تو آپؓ نے محض تقیہ کے طور پر' ایک وقتی مجبوری اور مصلحت کے تحت بیعت کی' ورنہ انہوں نے کبھی دل سے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اہل تشیع کے عوام کی اکثریت اسی موقف پر قائم ہے۔ اور یہی دونوں فرقوں کے درمیان بنیادی وجہ نزاع ہے۔

اس کے مقابلے میں دوسری انتہا پر وہ متشدد مکتب فکر ہے جو ماضی قریب میں اہل سُنّت میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اقتدار کے بھوکے تھے' حضرت حسینؓ بھی اقتدار کے حریص اور باغی تھے' لہٰذا وہ واجب القتل تھے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہیں۔ ایسے دریدہ دہن لوگ چاہے ناصبی ہوں یا کوئی اور ہوں' میرے نزدیک یہ دراصل غالی شیعہ کے موقف کا ایک ردِّ عمل ہے۔

اس ردعمل کا خاص تاریخی پس منظر ہے۔ ۱۹۷۹ء میں جب ایران میں انقلاب آیا تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں اہل تشیع کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور انہوں نے بڑے جارحانہ انداز میں کوششیں شروع کر دیں کہ پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب لایا جائے۔ اہل سنت میں اس کا سخت ردعمل پیدا ہوا۔ اس ردعمل کا ایک مظہر سپاہ صحابہ کا قیام ہے اور اس کا دوسرا ردعمل ان لوگوں کی صورت میں ظاہر ہوا جن کی اکثریت

حدیث اور سنت کی منکر ہے' لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سُنّی کہلواتے ہیں۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی توہین کرتے ہیں اور انہیں اقتدار کے حریص گردانتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر بھی انتہائی گھناؤنا اور اہل سنت کے اجماعی موقف کے خلاف ہے۔

صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں تیسرا نقطۂ نظر اہل سنت کی اکثریت کا ہے۔ مذکورہ بالا دو انتہاؤں کے مابین نقطہ ہائے نظر کے بہت سے shades ہیں' لیکن ان کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ نہ تو اصحابِ ثلاثہؓ غاصب تھے اور نہ ہی حضرت علیؓ اقتدار کے حریص تھے' بلکہ چاروں خلفاء "راشد" اور برحق تھے۔ اہل سنت کی اکثریت حضرت علی' حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین (رضی اللہ عنہم) سے محبت رکھتی ہے' ان کی عظمت اور زہد و تقویٰ کی قائل ہے اور ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے عوام کے ہاں تو جمعہ کے خطبوں میں بھی اکثر یہی چیزیں ملتی ہیں: "وفاطمۃُ سیدۃِ نساءِ اھلِ الجنۃِ' وسیّدا شبابِ اھلِ الجنۃِ الحَسَنُ والحُسَین" چنانچہ اس میں شک نہیں کہ اہل سنت کے عوام کی اکثریت معتدل نقطہ نظر کی حامل ہے۔

ہمارے اسلاف میں سے بعض بڑی علمی شخصیات بھی معتدل نقطہ نظر کی حامل رہی ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ بر عظیم پاک و ہند کی ممتاز علمی شخصیت ہیں' میری نگاہ میں ان کا جو مقام و مرتبہ ہے اس سے آپ حضرات بخوبی واقف ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر میری طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہوتا' لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ صاحبین (حضرت ابو بکر و عمرؓ) کی افضلیت کا اقرار کروں' اس لئے اگرچہ میلان طبع حضرت علی کی طرف ہے لیکن صاحبین کی افضلیت کا اقرار کر رہا ہوں۔ اس طرح سے شاہ صاحبؒ نے اپنا میلانِ طبع بھی ظاہر کر دیا اور "تفضیلی" کہلانے سے بھی بچ گئے۔

پھر علامہ اقبال کا معاملہ اس بھی آگے کا ہے۔ انہوں نے "اہل بیت" کی (واضح رہے کہ میں یہاں اہل بیت کی اصطلاح اہل تشیع کے مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں) جس

قدر مدح و ثنا کی ہے اس نسبت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہتے ہیں ؎

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

یعنی حضرت مریمؑ تو ہمیں ایک نسبت سے عزیز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں، جبکہ حضرت فاطمہ الزہراؓ ہمیں تین نسبتوں سے عزیز ہیں، یعنی وہ محمد ﷺ کی بیٹی، حضرت علیؓ کی بیوی اور حضرات حسنینؓ کی والدہ ہیں)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں ؎

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

اور ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!

ایسے اشعار کی وجہ سے بعض لوگ اقبال پر بھی "تفضیلی شیعہ" ہونے کا لیبل لگاتے ہیں۔ مجھے بھی ان کے بعض اشعار سے اختلاف ہے۔ تاہم انہوں نے صرف حضرات اہل بیت ہی کی مدح نہیں کی بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ یہ اشعار تعداد میں اگرچہ کم ہیں لیکن وزن میں کئی اشعار پر بھاری ہیں۔ مثلاً ایک شعر ملاحظہ کیجئے ؎

ہمّتِ اُو کشتِ ملت را چوں ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

بلاشبہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد اسلام کی کھیتی مردہ ہو رہی تھی۔ جھوٹی نبوت کے دعویدار کھڑے ہو گئے تھے، مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ زور پکڑ گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حجاز کے چند شہروں کے سوا پورا جزیرہ نمائے عرب ارتداد کا شکار ہو گیا ہو۔ اسلام کی اس کسمپرسی کے دور میں کس کی ہمت تھی کہ اسلام کا دفاع اور تحفظ کرتا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ ہی تھے جنہوں نے جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ملت کی کھیتی کو اس طرح سیراب کیا جس طرح بادل کے برسنے سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں

علامہ اقبال نے آپؓ کے لئے چار الفاظ "ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر" استعمال کئے ہیں۔ یعنی آپؓ اسلام میں داخل ہونے والے بھی آنحضورؐ کے بعد پہلے شخص ہیں۔ آپؓ نے حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ سے بھی پہلے اسلام قبول کیا۔ غارِ ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ "ثانی اثنین" ہونے کا شرف آپؓ کو ہی حاصل ہے۔ غزوۂ بدر کی رات جب حضورؐ اپنی جھونپڑی میں سجدہ ریز تھے تو باہر تلوار لے کر ابو بکرؓ ہی پہرہ دے رہے تھے۔ پھر آنحضور ﷺ کے بعد روضہ اطہر میں تدفین کا شرف بھی سب سے پہلے ابو بکرؓ ہی کو حاصل ہوا۔ اس طرح یہ چار نسبتیں ہیں جن میں ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا "ثانی" ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اہل تشیع کے ہاں جو مختلف ذیلی فرقے ہیں ان میں ایک زیدی شیعہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معتدل رائے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ تفضیلی ہیں۔ یعنی ان کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، لیکن جب انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کی خلافت قبول کر لی تو اب اصحاب ثلاثہؓ کی خلافت بھی برحق ہے۔ چنانچہ وہ ان خلفاء راشدین کو غاصب نہیں کہتے، صرف حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

اِس وقت موجودہ ایران میں جدید دانشوروں کی اکثریت کو میں نے اس ضمن میں معتدل پایا ہے۔ علماء میں سے بھی بعض معتدل ہیں، البتہ بعض ابھی تک غالی ہیں۔ عوام کی غالب اکثریت غالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ معتدل شیعہ کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ خاص طور پر امام بخاریؒ کے بارے میں کتب تاریخ میں آتا ہے کہ انہوں نے بہت سے معتدل شیعہ راویوں سے روایات قبول کی ہیں اور بخاری شریف میں درج کی ہیں۔ یہ طرز عمل ہمارے محدثین کے اعتدال کی علامت ہے۔ اسی بنا پر اہل سنت کا ایک متشدد گروہ جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو حریص اقتدار قرار دیتا ہے، صحیح بخاری کی روایات پر اعتراض کر رہا ہے۔

ساتواں نکتہ: مقامِ صحابہؓ اور تنظیم اسلامی

جہاں تک خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تنظیم اسلامی کے موقف کا تعلق ہے' تو ہم بلا خوفِ لومۃ لائم کہتے ہیں کہ تنظیم اسلامی سنی مسلمانوں کی تنظیم ہے' اس لئے اس معاملے میں اس کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو جمہور اہل سنت کے ہیں۔ ان سب کا تذکرہ "تعارفِ تنظیم اسلامی" نامی کتاب میں کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں ایمانیات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ چیز بہت اہم ہے' اس لئے کہ اگرچہ ہر مسلمان "ایمان" کا بنیادی اور اساسی مفہوم تو سمجھتا ہے لیکن ایمانیات کی تفصیلات اور جزئیات کے حوالے سے بہت سی باتیں عام لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔ مثلاً ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' لیکن ایمان باللہ کے معنی کیا ہیں؟ ہم ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں' لیکن اس کا کیا مفہوم ہے؟ ہم آخرت کو مانتے ہیں' لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے تقاضے کیا ہے؟ لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ کے لوازم کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں سے عام مسلمان آگاہ نہیں ہیں۔ ہم نے ان چیزوں کو مرتب کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے دستور سے بھی راہنمائی لی ہے' اس لئے کہ "الحکمۃُ ضالۃُ المؤمن" کے مصداق خیر اور بھلائی جہاں سے بھی ملے اسے لے لینا چاہئے۔ لیکن جماعت اسلامی کے دستور میں یہ ایک بہت بڑا خلا ہے کہ وہاں ایمانیات کی بحث سرے سے موجود ہی نہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے ہاں اس بحث کو شامل کیا ہے۔ باقی کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے معانی کیا ہیں' اللہ کو الٰہ ماننے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ تسلیم کرنے کے معنی کیا ہیں' اس ضمن میں واقعتاً وہاں بڑی اچھی تعبیر و تشریح موجود ہے جسے ہم نے جوں کا توں اختیار کر لیا ہے۔

البتہ ایمان بالرسالت کے متضمنات میں ہم نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ تسلیم کیا جانا بھی ضروری ہے کہ آپؐ نے جو نظام عدل اجتماعی قائم فرمایا اور جو بعد میں خلافت راشدہ کے دوران قائم رہا' وہی دین حق کی صحیح ترین اور واحد مسلّمہ تعبیر ہے۔ یعنی خلافت راشدہ فی الواقع خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیضیاب ہونے

والے ان خلفاء الراشدین المہدیین کی سنت بھی آنحضورؐ کے بعد دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ حضورؐ نے خود فرمایا :

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيِّينَ))

"تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے"۔

اسی طرح ہم نے ایمان بالرسالت کا یہ دوسرا تقاضا بھی اضافی طور پر شامل کیا ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ آنحضور ﷺ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے براہ راست فیضیاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم من حیث الجماعت پوری امت میں افضلیت مطلقہ کے حامل ہیں اور کوئی غیر صحابی' خواہ وہ تقویٰ و تدین میں کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو' کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں' شیخ علی ہجویریؒ ہوں یا معین الدین اجمیریؒ' کسی بھی بزرگ ہستی کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ سے افضل قرار نہیں دیا سکتا۔ صحابہؓ کی محبت ہمارا جزوایمان ہے۔ ان کی تعظیم و توقیر حضور ﷺ کی تعظیم ہے' اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر نبی ﷺ سے بغض عداوت اور آپؐ کی توہین ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے :

((مَنْ اَحَبَّهُم فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ))

یعنی "جس کسی نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی' اور جس کسی نے ان سے عداوت رکھی تو میری عداوت کی وجہ سے عداوت رکھی۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں' لیکن ان کے پاس کُلی فضیلت متعین طور پر اس طرح ہے کہ عام صحابہؓ پر ایک اضافی درجہ فضیلت ان پندرہ سو یا اٹھارہ سو اصحاب بیعتِ رضوان کو حاصل ہے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس بیعت کو تاریخ میں "بیعتِ رضوان" یا "بیعت علی الموت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب پر ایک مزید درجہ فضیلت ۳۱۳ اصحاب بدر کو حاصل

ہے۔ پھر "عشرہ مبشرہ" سے موسوم دس صحابہؓ اصحاب بدر پر ایک درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک خاص درجہ فضیلت خلفاء اربعہ کو حاصل ہے۔ خلفاء اربعہ کے مابین افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔ یعنی افضلُ البشرِ بعدَ الانبیاءِ بالتحقیق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں' ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا مقام ہے' پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم و ارضاہم اجمعین!)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام عدول ہیں۔ ان کے مابین جو اختلافات اور نزاعات پیدا ہوئے وہ نفسانیت اور حرص اقتدار کی بنا پر نہیں' بلکہ اجتہادی خطا کی بنا پر ہوئے تھے۔ چنانچہ نہ تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ حریص اقتدار تھے اور نہ ہی امیر معاویہؓ۔ اس لئے ہمارے نزدیک کسی کو بھی سبّ و شتم اور الزام و اتہام کا نشانہ بنانا جائز نہیں۔ کسی واقعی یا حقیقی ضرورت کے تحت ان اصحاب کے نزاعات کو زیر بحث لاتے ہوئے اگرچہ ان میں کسی ایک کو مصیب (یعنی صحیح رائے پر) اور دوسرے کو مخطی (یعنی غلطی پر) قرار دیا جا سکتا ہے' مگر یہ خطا اجتہادی ہو گی۔ تاہم ہمارے نزدیک محتاط ترین طرز عمل یہ ہے کہ ان اصحاب کے باہمی اختلافات اور جنگوں کے حوالے سے کف لسان سے کام لیا جائے اور زبان کھولنے کی بجائے کامل سکوت اختیار کیا جائے۔

آٹھواں نکتہ : فقہ جعفریہ اور فقہ اہل سنت میں اختلاف کی حقیقت

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے میری رائے میں' میرے علم کی حد تک فقہ جعفریہ میں ایک "متعہ" کے مسئلہ کے علاوہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کسی نہ کسی سنی فقہ میں موجود نہ ہو۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ اسی نوعیت کا ہے جو حنفی' حنبلی' مالکی اور شافعی فقہوں کے درمیان ہے۔ یہ موقف میرا پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔

ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ لطیفے کے درجے میں پیش کر رہا ہوں۔ وہاں پر حق شفعہ کا بل زیر غور تھا۔ ایک موقع پر سید محمد رضی مجتہد نے' جو اہل تشیع کے

بہت بڑے عالم ہیں' اپنی تقریر میں یہ کہا چار فقہیں سنیوں کی ہیں اور ایک شیعوں کی۔ اور مسئلہ زیر بحث میں ساڑھے تین کا موقف ایک طرف ہے اور ڈیڑھ کا موقف دوسری طرف ہے۔ یعنی اس مسئلے میں جو رائے حنفی فقہ کی تھی اس کی تائید میں صرف نصف رائے اور تھی' جبکہ جو رائے فقہ جعفریہ کی تھی اس کی تائید میں سنی فقہوں میں سے اڑھائی آراء موجود تھیں۔ تو انہوں نے اسے اس طرح پیش کرتے ہوئے کہا کہ ساڑھے تین ایک طرف ہیں اور صرف ڈیڑھ دوسری طرف ہے' لہٰذا اکثریت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس پر میں نے کہا کہ لیجئے صاحب آج مسئلہ حل ہوگیا! میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ فقہی اختلافات ہیں اور ان میں بھی خاص طور پر شیعہ اور سنی کا اختلاف۔ اگر اہل تشیع یہ بات مستقل طور پر مان لیں کہ جس مسئلے میں پانچ فقہوں میں سے تین متفق ہوں اس کا فیصلہ ان تین کے مطابق کر دیا جائے تو مجھے ان کا استدلال قبول ہے۔ لیکن وہ عالم فوراً کہنے لگے کہ نہیں نہیں' ہمیں یہ بات مستقل طور پر منظور نہیں۔ اس پر وہاں ایک زبردست قہقہہ لگا۔ اس لئے کہ یہ تو پھر موقع پرستی ہوئی کہ ایک مسئلے میں آپ خود جو دلیل دے رہے ہیں اسے مستقل طور پر ماننے کے لئے تیار نہیں۔

نواں نکتہ : شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت

جیسا کہ بارہا واضح کیا گیا ہے کہ میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر نیو ورلڈ آرڈر یعنی نئے عالمی یہودی مالیاتی استعمار کا سدباب اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ اہل تشیع اور اہل تسنن کے مابین مفاہمت نہ ہو جائے۔ چنانچہ میرے نزدیک شیعہ سنی مفاہمت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کو اہل کتاب کے ساتھ مفاہمت کے لئے یہ اصول دیا گیا ہے:

﴿قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا

مُسْلِمُوْنَ○﴾ (آل عمران: ۶۴)

"(اے پیغمبر ﷺ) تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ مانے' پھر اگر (یہ لوگ اس بات سے) روگردانی کریں تو (مسلمانو! ان سے) کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں"۔

اندازہ کیجئے کہ اگر اہل کتاب سے مفاہمت ممکن ہے بلکہ اس کا حکم دیا جارہا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ اشتراک واتحاد کیونکر ناممکن ہے جو مسلمان ہیں اور رسالت محمدیؐ میں ہمارے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا رخ کیا ہے اور قرآن مسلمانوں میں کس چیز کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

سورۂ آل عمران ہی کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں امت مسلمہ کے لئے ایک سہ نکاتی لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے جن میں سے درمیانی آیت میں اعتصام بحبل اللہ یعنی تمسک بالقرآن اور باہم اتحاد واتفاق کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۠ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ○﴾

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل (وکرم) سے بھائی بھائی بن گئے۔ (تمہارا حال تو یہ تھا کہ) تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے لیکن اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ"۔

یہ آیت جس پس منظر میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ قبول اسلام سے قبل اہل عرب میں

شدید اختلافات' انتشار اور جنگ و جدال پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت اسلام سے مالا مال کر کے جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ آج اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو یہ آیت ہم پر صادق آتی ہے۔ شیعہ سنی اختلافات انتہائی گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ افغانستان میں بھی یہ مسئلہ جنگ و جدال کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور اس اختلاف کی خلیج مزید گہری ہوتی جا رہی ہے۔ اسی کا مظہر مسئلہ افغانستان پر تہران میں منعقدہ کانفرنس میں ایرانی فارن پالیسی کمیشن کے وائس چیئرمین محمد جواد کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے مسئلہ کشمیر پر کھل کر بھارتی موقف کی حمایت کی ہے۔ بھارتی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ کشمیری مسلمانوں کو مکمل مذہبی اور سیاسی آزادی ہونی چاہئے' لیکن انہیں ہندوستان کی بڑی فیملی کے اندر ہی رہنا چاہئے۔

درحقیقت اس وقت عالمی مالیاتی یہودی استعمار کی سوچی سمجھی سکیم یہ ہے کہ :

اولاً : مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو ہوا دی جائے تاکہ یہ کبھی بھی واحد قوت نہ بن سکیں اور ہمیں چیلنج نہ کر سکیں۔

ثانیاً : مسلمان ممالک سے چین کے تعلقات ختم کر دیئے جائیں۔

یہودی رفتہ رفتہ اپنی اس سکیم میں کامیاب ہو رہے ہیں' کیونکہ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس کا ایک مشاہدہ افغانستان کی موجودہ سیاسی صورتحال کے تناظر میں کیا جا سکتا ہے۔ دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر افغانستان میں طالبان کوئی مستقل' پائیدار اور مستحکم حکومت قائم کر لیں تو وہ ایک کٹر سنی حنفی علماء کی حکومت ہو گی۔ اس کے مقابلے میں ایران میں پہلے سے شیعہ علماء کی حکومت قائم ہے۔ گویا اب ایک طرف شیعہ علماء کی اور دوسری طرف کٹر سنی علماء کی حکومت ہو گی اور اس کا لامحالہ نتیجہ دونوں ممالک کے درمیان شدید اختلافات اور کشیدگی کی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے۔ اور یہی چیز عالمی قوتوں کو مطلوب ہے۔

بہرحال احیائے اسلام او غلبہ دین حق کے لئے شیعہ سنی مفاہمت اور اتحاد کا میں سختی سے پہلے بھی قائل تھا اور اب مزید قائل ہوتا جا رہا ہوں' اس لئے کہ اس کے بغیر نہ

یہاں اسلام آسکتا ہے اور نہ ہی نیو ورلڈ آرڈر کے زیر عنوان نئے عالمی یہودی مالیاتی استعمار کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت کے پیش نظر میرا ایک "خیال" ہے کہ تنظیم اسلامی تو اگرچہ ایک خالصتاً سنی المسلک تنظیم ہے' اس کے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں لیکن تحریک خلافت میں شیعہ حضرات کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تاحال ایک خیال اور رائے ہے' اسے فیصلہ کی شکل نہیں دی گئی' تاہم اس پر جزوی طور پر عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم خلافت کے جلسوں میں اہل تشیع مقررین کو بھی بلا رہے ہیں۔

آخری نکتہ : پاکستان میں اہل تشیع کی حیثیت

آخری نکتہ یہ ہے کہ پاکستان میں اہل تشیع کو وہی حیثیت دستوری اور قانونی طور پر تسلیم کر لینی چاہئے جو حکومت ایران نے وہاں اہل سنت کو دی ہے۔ یعنی پاکستانی اہل تشیع کو بھی یہاں اکثریتی فقہ کے نفاذ کے ایرانی فارمولا کو برضا و رغبت قبول کر لینا چاہئے۔ میں نے علامہ ساجد نقوی صاحب سے اپنی ایک گزشتہ ملاقات میں بھی اپنے اس موقف کا اعادہ کیا ہے اور ایران میں بھی وہاں کی سب سے بڑی مذہبی شخصیت آیت اللہ خامنہ ای سمیت جس سے بھی ملا ہوں اس کے سامنے کھل کر اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ میں نے آیت اللہ خامنہ ای سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے شیعہ حضرات کو بھی اسی بات پر آمادہ کریں۔

سفر ایران کا پس منظر

میرے حالیہ دورۂ ایران کا مختصر سا پس منظر یہ ہے کہ اگرچہ ایک زمانے میں میرا شمار بھی غالی اور متشدد سنیوں میں کیا جاتا تھا' تاہم یہ بات پہلے بھی غلط تھی اور رفتہ رفتہ اس کی غلطی مزید واضح ہوتی گئی۔ خاص طور پر جب مسئلہ کشمیر کے بارے میں اخبارات میں میرے یہ بیانات سامنے آئے کہ ہمیں چاہئے کہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کی بجائے چین اور ایران کے بہتر تعلقات کو استعمال کر کے بھارت سے دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے یہ مسئلہ حل کریں اور پاکستان' ایران' افغانستان اور روسی ترکستان پر مشتمل ایک مضبوط

اسلامی بلاک بنائیں' تو اس کے بعد اہل تشیع کے دلوں میں میرے لئے مزید نرم گوشہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاص طور پر لاہور میں ایرانی قونصلیٹ کی طرف سے مجھے متعدد بار اپنے ہاں منعقد ہونے والی تقاریب میں شرکت کی دعوت موصول ہوتی رہی۔ براہ راست ایران سے بھی دعوت نامے آئے' آیت اللہ خمینی کی برسی کی تقریب میں شرکت کی دعوت بھی آئی' لیکن میں نے اس موقع پر صاف کہہ دیا کہ چونکہ میں برسی منانے کو بدعت سمجھتا ہوں اس لئے پاکستان میں بھی کسی کی برسی میں شریک نہیں ہوتا' لہٰذا آپ کے پروگرام میں بھی شرکت نہیں کر سکتا۔ دیگر تقریبات اور کانفرنسوں میں شرکت سے بھی معذرت کرتا رہا ہوں کہ میں تقریبات اور کانفرنسوں کا آدمی نہیں ہوں' اس لئے کہ میں عالم دین ہوں نہ دانشور' بلکہ ایک خادم دین اور طالب قرآن ہوں' تاہم میں انقلاب ایران کے بعد کے ایران کو دیکھنا ضرور چاہتا ہوں کہ انقلاب کے بعد کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے علیحدہ کبھی بلائیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔

گزشتہ سال ہمارے ہاں آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی تشریف لائے' ان کی شخصیت سے میں بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے قرآن کالج کے طلبہ سے خطاب بھی کیا۔ ان کی تقریر کے دوران شیعہ سنی مسئلہ کے بارے میں ان کا بھی وہی موقف سامنے آیا جو میں یہاں عرصے سے پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آیت اللہ خمینی صاحب کا بھی یہی موقف تھا کہ ہر ملک میں قانون عامہ (Public Law) اکثریت کے فقہی تصورات اور تعبیرات کے مطابق ہونا چاہئے' البتہ نجی قانون (Personal Law) میں سب کو آزادی دی جائے۔

اس کے بعد ایرانی قونصل کی طرف سے آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں بھی ان کی ایک تقریب میں گیا اور ایک بار کھانے کی دعوت پر بھی گیا اور آخر کار مجھے حالیہ دورۂ ایران کی دعوت بھی موصول ہو گئی۔ دورۂ ایران کی یہ دعوت سرکاری نہیں بلکہ نیم سرکاری تھی۔ ایران میں اسلامی ثقافت کو فروغ دینے اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں سے تعلقات مضبوط بنانے کے لئے "سازمان ثقافت علاقات خارجہ" کے نام

سے ایک ادارہ یا محکمہ بنایا گیا ہے۔ اس محکمہ کا ایک ذیلی ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیہ" ہے جس کا مقصد مختلف فقہی مذاہب کو آپس میں قریب ترلانے کی کوشش کرنا ہے۔ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی اس ادارے کے ڈائریکٹر ہیں۔ یہ دعوت مجھے ان کی طرف سے ملی تھی۔ میں ایران گیا تو میرا اور میرے ساتھیوں کا قابل قدر اعزاز و اکرام کیا گیا اور خاطر تواضع اور مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ فائیو سٹار ہوٹل میں ہمارے قیام وطعام کا انتظام کیا گیا۔ اس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ البتہ چونکہ یہ سرکاری دعوت نہیں تھی اس لئے ذرائع ابلاغ نے ہمارے دورے کو زیادہ کوریج نہیں دی گئی۔ میرے ساتھ عزیزم ڈاکٹر عبدالخالق بھی تھے۔ انہوں نے دورۂ ایران کی تفصیلی رپورٹ قلمبند کی ہے (مذکورہ رپورٹ نومبر ۹۶ء میثاق کے میں شائع ہو چکی ہے)

مشاہدات و تأثرات

مشاہدات اور تاثرات کے حوالے سے مجھے جو نکات بیان کرنے ہیں' ان میں سے اکثر مثبت ہیں' البتہ کچھ منفی بھی ہیں۔

مثبت تاثرات

☆ علماء کا وقار : مثبت تاثرات میں پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایران میں جا کر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہاں علماء کا ایک وقار اور عزت ہے' جبکہ ہمارے ہاں صورتحال اس کے برعکس ہے۔ شہروں میں یقیناً ہمارے ہاں بھی کچھ دبنگ قسم کے علماء ایسے ضرور موجود ہیں جو اپنی حیثیت بنا لیتے ہیں اور اسے منوا لیتے ہیں' ان کی عزت بھی ہوتی ہے اور مساجد پر بھی وہ اپنا "اقتدار" قائم کر لیتے ہیں' لیکن دیہات میں' سب جانتے ہیں کہ علماء کو "کمی کاری" سے زیادہ کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ اقبال نے بھی کہا تھا ؎

قوم کیا چیز ہے ' قوموں کی امامت کیا ہے؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

☆ <u>نماز جمعہ کا روح پرور منظر</u> : دوسرا تاثر بھی اقبال کے شعر کے حوالے سے ملاحظہ کیجئے ۔

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

جمعہ بھی مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے' جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا "الجمعۃ عیدُ المسلمین "اس حوالے سے نماز جمعہ کا جو منظر ہم نے وہاں دیکھا ہے وہ پوری دنیا میں شاید کہیں اور نظر نہ آئے۔ صرف تہران میں ان کے کہنے کے مطابق دس لاکھ افراد جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ہم نے جہاں نماز جمعہ ادا کی وہ یونیورسٹی کا ایک بہت بڑا جمنیزیم ہے' جس کی مزید توسیع کی گئی ہے۔ اس کے اردگرد باہر سڑکوں اور گلیوں میں بقول ان کے دس لاکھ افراد ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہماری نگاہ جارہی تھی وہ بھی ایک لاکھ سے کسی درجہ کم نہیں تھے۔ ان کی فقہ میں شاید ایک فرسنگ سے کم فاصلہ پر جمعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ فرسنگ غالباً ساڑھے تین میل کا ہوتا ہے۔ گویا ساڑھے تین میل کا دائرہ کھینچا جائے گا تو سات میل کے حلقے کے اندر ایک ہی جمعہ ہو سکتا ہے' دوسرا نہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ اگر ایک گلی میں تین مساجد ہیں تو ہر مسجد میں چند آدمی بیٹھے ہوتے ہیں اور جمعہ ہو رہا ہوتا ہے۔

☆ <u>اعلیٰ تعلیم کے لئے معیاری یونیورسٹیاں</u> : میں نے ایران میں دو یونیورسٹیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک "تہران یونیورسٹی" ہے اور دوسری "دانش گاہ امام جعفر صادقؒ "۔ جہاں تک تہران یونیورسٹی کا تعلق ہے وہ تو پہلے سے چل رہی ہے۔ البتہ دانش گاہ امام جعفر صادقؒ ایک نئی یونیورسٹی ہے جو کچھ عرصہ قبل قائم ہوئی ہے۔ ان یونیورسٹیوں سے مجھے اتنی دلچسپی اس لئے ہے کہ میں نے ۱۹۶۸ء میں ایک خواب دیکھا تھا کہ عالم اسلام میں جا بجا ایسی یونیورسٹیاں قائم ہونی چاہئیں جن کا مرکزی شعبہ تو قرآن حکیم اور عربی زبان ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ سائنس' مینجمنٹ' معاشیات' اقتصادیات اور تاریخ وغیرہ کے دوسرے شعبے بھی ہوں۔ قرآن اور عربی زبان کی تحصیل لازمی ہو اور باقی مضامین میں سے جسے طالب علم پسند کرے اس میں تخصّص (specialization) کر

لے۔ یہ خواب پاکستان میں تو ہنوز تشنۂ تعبیر ہے۔ اگرچہ میں نے قرآن کالج اسی قرآن یونیورسٹی کی طرز پر شروع کیا ہے' جیسے کبھی سرسید احمد خان نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی تھی اور بعد میں اسے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ لیکن ہم نے کالج میں فزیکل سائنسز نہیں رکھیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یونیورسٹی کے قیام کی توفیق مرحمت فرما دے جس کا مرکز و محور قرآن اور عربی زبان ہو۔ بہرحال میں نے ایران میں اپنے خواب کی کسی درجے میں تعبیر دیکھی ہے۔ گویا بقول اقبال ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے!

☆ <u>خواتین یونیورسٹی کا قیام</u> : حکومت ایران نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی بنائی ہے۔ یہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے' جس میں پانچ ہزار طالبات اس وقت زیر تعلیم ہیں۔ اڑھائی سو اساتذہ ہیں' جن میں سے ڈیڑھ سو خواتین اساتذہ اور ایک سو مرد ہیں۔ مرد اساتذہ کی تعیناتی بقول ان کے وقتی مجبوری ہے۔ تمام طالبات اور خواتین اساتذہ باپردہ نظر آتی ہیں۔ البتہ ان کے ہاں حجاب میں چہرہ شامل نہیں ہے۔ لہٰذا خواتین کا پورا جسم اور سر اچھی طرح ڈھکا ہوتا ہے لیکن چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں خواتین یونیورسٹی کا پرزور مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب کے گیارہ سالہ دورِ اقتدار میں اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی نے ویمن یونیورسٹی کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں لیکن حکومت کی طرف سے سوائے سبز باغ دکھانے کے اس جانب عملاً کوئی پیش رفت نہ ہو سکی اور ہنوز یہ معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن ایران میں خواتین یونیورسٹی بالفعل قائم ہے۔

مجھے خواتین یونیورسٹی جانے کا بھی موقع ملا۔ وہاں پر وائس چانسلر اور اہم سینئر اساتذہ سے میری گفتگو بھی ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ شیعہ سُنّی مسئلہ میں ایک وجہ اختلاف یہ بھی کہ آپ (شیعہ) حضرات خواتین میں سے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شخصیت پر بہت زور دیتے ہیں' جبکہ سنی حضرات بالخصوص غالی اور متشدد سنی سیدہ عائشہ

صدیقہ ؓ کی شخصیت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس طرح دونوں گروہوں نے ایک ایک شخصیت کو اپنے لئے الاٹ کر لیا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل لے آئے ہیں' حالانکہ ہمارے نزدیک سیدہ فاطمہ زہراء ؓ اور سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ دونوں محترم ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ حضرت فاطمہؓ کے بجائے ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ کو مرکزی شخصیت کا درجہ دیں' جو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ آپ' کی محسنہ بھی ہی تو ان کی شخصیت دونوں گروہوں کے لئے یکساں طور پر قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک مَردوں میں "الصدیق الاکبر" کا مقام حضرت ابو بکر صدیق ؓ کو حاصل ہے جبکہ خواتین میں "الصدیقۃ الکبریٰ" کا مقام یقینی طور پر سیدہ خدیجۃ الکبری کا ہے۔ ان حضرات نے میری بات کے وزن کو محسوس کیا اور اس سے اتفاق کیا۔

☆ تعلیم و تعلم سے دلچسپی : ایران میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ایرانیوں کی ترجیحات میں علم و تعلیم کو اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ یونیورسٹیوں اور لائبریریوں پر زر کثیر خرچ کیا جا رہا ہے۔ نئے تعلیمی ادارے اور تحقیقی و تفتیشی مراکز کھل رہے ہیں۔ فارسی زبان میں ایک بہت بڑا انسائیکلوپیڈیا "دائرۃ المعارف الاسلامیہ الکبریٰ" کے نام سے تیار ہو رہا ہے۔ اس کی اب تک تین جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ساتھ ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے' جس کی چھ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس کی پہلی دو جلدیں ہدیہ کی ہیں۔ اہل ایران کی علم دوستی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں اعلیٰ ترین عمارتیں یونیورسٹیوں' لائبریریوں' کتب خانوں اور دیگر تعلیمی اداروں کی ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے شعبوں میں اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ چنانچہ اگرچہ تہران کراچی سے زیادہ جدید شہر ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ایئرپورٹ کراچی ایئرپورٹ سے اچھا نہیں ہے' بلکہ لاہور کے ایئرپورٹ کی طرح ہے۔ کسی بھی قوم کی زندگی میں ترجیحات کا تعین بہت اہم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ترجیح اول کسے حاصل ہے اور ترجیح ثانوی کس شے کو حاصل ہے۔

☆ قرآن حکیم کی عمدہ طباعت : قرآن مجید کی محفوظیت اور اس کے صحیح ہونے پر مجھے اپنے اس پورے سفر میں کہیں بھی کسی شک و شبہ کے آثار نظر نہیں آئے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم پر بہت کام ہو رہا ہے۔ اس کی نہایت عمدہ طباعت ہو رہی ہے۔ انہوں نے کچھ عرصہ قبل علامہ طباطبائی کی ۲۰ جلدوں پر مشتمل تفسیر شائع کی ہے۔ یہ تفسیر مجھے بھی ہدیہ کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مقدار (quantity) کے معاملے میں سعودی عرب سے آگے نہیں جا سکتے' اس لئے کہ سعودی عرب معاشی اعتبار سے ایک مضبوط اور مستحکم ملک ہے۔ سعودی حکومت نے قرآن حکیم کی نہایت عمدہ طباعت کر کے وسیع پیمانے پر پوری دنیا میں مفت تقسیم کیا ہے۔ بہرحال پھر بھی سعودی عرب کے بعد اپنے وسائل کے اعتبار سے قرآن حکیم کی جس قدر عمدہ طباعت ایران نے کی ہے' اس کی نظیر کوئی دوسرا مسلمان ملک پیش نہیں کر سکتا۔

☆ مزاروں پر خرافات نہیں : ہمیں اندیشہ تھا کہ آیت اللہ خمینی کے مزار پر ہمارے ہاں کے مزارات سے بھی زیادہ خرافات اور بدعات ہوں گی' لیکن ہم وہاں گئے تو اس قسم کی کوئی چیز وہاں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ میں نے وہاں جا کر مسنون طریقہ سے سلام کیا : "السّلام علیکم یا اھلَ القبور من المؤمنین والمسلمین' یغفر اللہ لنا ولکم' انتم سلفنا ونحن بالاثر" پھر مزار کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ اس پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

میں قُم بھی گیا' اس لئے کہ وہ ایران کا بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ وہاں حوزۂ علمیہ اور فیضیہ دو بہت بڑے علمی مراکز ہیں۔ میں مشہد بھی گیا کیونکہ وہ خراسان کا دارالخلافہ ہے۔ خراسان سے جو مجھے دلچسپی ہے وہ آپ حضرات کو معلوم ہے۔ ان دونوں مقامات پر دو مزارات ہیں جو ان کے نزدیک مقدس ترین مقامات ہیں اور انہیں وہاں "حرم" کہا جاتا ہے۔ مشہد میں ان کے نزدیک آٹھویں امام معصوم امام رضاؒ اور قم میں ان کی ہمشیرہ حضرت معصومہؒ کے مزارات ہیں۔ ہمیں ان دونوں مزارات پر لے جایا گیا' لیکن ہم مزاروں کے اندر نہیں گئے بلکہ باہر ہی سے مسنون دعا کی' لیکن مجھے خوشگوار حیرت ہوئی

کہ ہمارے اس عمل سے کسی کے چہرے پر ناراضی کے آثار نظر نہیں آئے اور کسی نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ ہم اندر جا کر مزار پر حاضری دے آئیں۔

ویسے اپنے بارے میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ میں جو مزارات کے اندر نہیں گیا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں اسے کفر یا شرک سمجھتا ہوں۔ میں تو یہاں بھی شیخ علی ہجویریؒ کی قبر پر جانا چاہتا ہوں لیکن صرف اس لئے نہیں جا رہا کہ اس سے عوام میں پائے جانے والے قبر پرستی کے مروجہ خیالات اور مشرکانہ تصورات کو تقویت ملے گی۔ ماضی میں اس طرح کی ایک غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ میں کھاریاں میں پیر صاحب موہری شریف کی دعوت پر ان کی خانقاہ میں گیا۔ وہ مجھے اپنے پیر صاحب کی قبر پر لے گئے۔ پھر اس بات کا بتنگڑ اس طرح بنایا گیا کہ انہوں نے وہاں پر فوٹو کھینچ کر اخبارات میں شائع کروا دیا اور یہ تاثر دیا گیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد بریلوی اور پیر پرست بن گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے پیر صاحب کی بیعت کر لی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کے فتنوں کے سدباب کی وجہ سے میں نے مزارات پر نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆ <u>سرکاری سطح پر سادگی</u> : ایک مثبت تبدیلی یہ ہے کہ اگرچہ آیت اللہ خامنہ ای کو ایران میں بے تاج بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے لیکن ان میں ہمیں کوئی بات "شاہانہ" نظر نہیں آئی۔ ہماری بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں سادگی' شرافت' متانت' تحمل و بردباری اور وجاہت کا عظیم مرقع اور مجسمہ نظر آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسی شخصیت نہیں دیکھی۔ اتنا بلند مرتبہ حاصل ہو جانے کے باوجود ابھی تک وہ فرشی نشست پر دو زانو ہو کر بیٹھتے ہیں اور عوام اور دیگر ملاقاتی بھی دو زانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح محکمہ "سازمان ثقافت و علاقات خارجی" کے انچارج آیت اللہ تسخیری بھی حلم و تواضع میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ "مرکز دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی" کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی کا ہے۔ وہ علماء میں سے نہیں۔ انہوں نے شاہ کے دور میں چودہ سال جیل کاٹی ہے۔ ان کو وزارت عظمیٰ کی پیشکش بھی کی جاتی رہی ہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو علمی کام کے لئے وقف کیا ہے۔ وہ بہت ہی شریف انسان ہیں۔ ہمیں قم پبلک لائبریری دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ یہ لائبریری تنہا ایک شخص آیت اللہ

المرعشی نے نجف میں بیٹھ کر بنائی ہے۔ اس لائبریری میں پچیس ہزار سے زائد تو مخطوطات جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے بیٹے سید محمود المرعشی سے مل کر بھی طبیعت بہت خوش ہوئی۔ ایسی لائبریری میرے علم کی حد تک پورے پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی کی شرافت' متانت اور وجاہت کا تو میں پہلے سے ہی قائل تھا۔

☆ مضبوط معیشت کے لئے کوششیں : ایران اپنی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ صنعتوں کو فروغ دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے ایران کے بائیکاٹ اور مخالفت نے مزید تحریک پیدا کر دی ہے۔ ایسے حالات میں ایران کی کوشش ہے کہ انڈسٹری کے میدان میں مغرب کا مقابلہ کرے۔ گویا بقول اقبال ؎

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے!

☆ عربی زبان سے گہرا شغف : عربی زبان سے جو شغف مجھے ایران میں نظر آیا کسی اور عجمی ملک کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' اور پاکستان میں تو اس کا دسواں حصہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں تو علماء بھی عربی میں گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اس معاملے میں افغان ہم سے بہت بہتر ہیں۔ بہرحال عربی زبان سے اہل ایران کی دلچسپی خوشگوار حیرت کا باعث بنی کہ شاہ ایران کے دور میں عربی کے خلاف مہم چل رہی تھی اور فارسی میں سے عربی الفاظ نکال کر ان کے مترادف جدید فارسی الفاظ شامل کئے جا رہے تھے۔ لیکن اب دوبارہ عربی کی طرف مراجعت وہاں نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے۔

☆ اقبال سے محبت : ایران میں علامہ اقبال سے گہری محبت اور عقیدت پائی جاتی ہے۔ پورے ایران میں دانشور اور علماء ان کے فکر سے متفق اور متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کو وہاں اقبال "لاہوری" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے دلوں میں سعدیؒ کا مقام ہے اور ہم انہیں سعدی "شیرازی" کہتے ہیں اسی طرح اقبال کو وہ اقبال "لاہوری" کہتے ہیں اور ان کے انقلابی پیغام سے گہرا شغف اور لگاؤ رکھتے ہیں۔

منفی تأثرات

میں چاہتا ہوں کہ مثبت تاثرات کے ساتھ ساتھ منفی نکات بھی بیان کر دیئے جائیں تا کہ بات یک رخی نہ رہ جائے۔ میرے تاثرات میں منفی نکات درج ذیل ہیں :

☆ عمومی افسردگی کی فضا : ایرانی عوام میں بشاشت' امنگ اور ولولہ نظر نہیں آتا اور عام طور پر پورے ماحول پر افسردگی اور کچھ خوف زدگی کی سی کیفیت طاری ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرت فاطمہ ؓ کو جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' حضرت علی ؓ پر ان کے مطابق جو زیادتیاں ہوئیں اور مقام کربلا میں حضرت حسین ؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا جو واقعہ ہوا' ان واقعات کے زیر اثر اہل تشیع کا یہ ایک عمومی مزاج بن چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ افسردہ مزاجی اسی کا عمومی اثر ہو۔

دوسری اور اہم وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وہاں علماء کی حکومت ہے اور پاسداران انقلاب کا وہاں دبدبہ اور غلغلہ ہے جبکہ عوام کے احساسات کے اندر بنیادی طور پر اتنی گہری تبدیلی تاحال نہیں آسکی کہ وہ مثبت طور پر اس سے ہم آہنگ ہو سکیں' اس بنا پر ایک جبر کی سی فضا طاری نظر آتی ہے۔

تیسرے یہ کہ جہاں تک ہم نے معلوم کیا ہے تو ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ انقلاب ایران کی حمایت یا اس کے حق میں جذبات عام ایرانیوں میں نفوذ نہیں کر رہے' بڑھ نہیں رہے بلکہ یہ جذبات گھٹ رہے ہیں۔ ہماری وہاں پر بعض عہدیداروں سے بات چیت ہوئی تو میں نے براہ راست ان سے یہ سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کی حمایت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو پہلے تو وہ بھونچکے سے رہ گئے کہ یہ کیسا سوال کر دیا۔ کہ اس کا جواب بڑا مشکل ہے' لیکن پھر کچھ گول مول جواب یہ دیا کہ ہم ترقیاتی کاموں پر بہت زیادہ خرچ کر رہے ہیں' اس لئے مہنگائی بڑھ گئی ہے' جبکہ انقلاب سے پہلے شاہ ایران عوام کی بہبود پر ہی خرچ کرتا تھا' تو کچھ اس کے اثرات ہیں' تاہم عوامی سطح پر ہمارے خیال میں انقلاب کی تائید بڑھ رہی ہے۔ یعنی وہ ساری باتیں کہنے کے بعد آخری بات یہ کہتے تھے کہ "تائید بڑھ رہی ہے" جبکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ گھٹ رہی ہے۔

☆ شیعہ سنی عدم مفاہمت : شیعیت اور سنیت کے مابین اعتدال و توازن وہاں بہت کم ہے' اگرچہ "لا شیعیہ لاسنیہ' اسلامیہ اسلامیہ" اور "لاشرقیہ لاغربیہ' اسلامیہ اسلامیہ" کے نعرے خوب لگ رہے ہیں۔ لیکن میرا تجزیہ یہ ہے کہ اگرچہ جدید دانشوروں میں جن سے ہماری ملاقات ہوئی' کافی حد تک اعتدال موجود ہے' اس لئے کہ ان کی پرورش کٹڑ مولویانہ ماحول میں نہیں ہوئی' اسی طرح علماء میں سے بھی بعض معتدل مزاج کے حامل ہیں' لیکن عوام میں کٹڑ شیعہ عقائد پوری پختگی کے ساتھ موجود ہیں اور ان میں اعتدال کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ جیساکہ میں پہلے بھی بیان کرچکا ہوں کہ عوام کی اکثریت غالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ جن کا موقف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام اول بھی ہیں' وصی رسول اللہ بھی ہیں اور خلیفہ رسول اللہ بلافصل بھی ہیں' جبکہ حضرات ابوبکر صدیق' عمرفاروق اور عثمان غنی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافتیں غاصبانہ خلافتیں تھیں (نعوذباللہ من ذلک) اور حضرت علیؓ نے صرف تقیہ کے تحت ان اصحاب کی بیعت کی تھی' دل سے نہیں کی۔ آج کل بعض علماء اور جدید شیعہ دانشور اس سطح سے اوپر آگئے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ان اصحاب کی بیعت کرلی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے خود خلافت حضرت ابوبکر' عمر' عثمان رضوان اللہ علیہم کو تفویض کردی' لہٰذا ان کی خلافت کو ہم صحیح مانتے ہیں۔ یہ "زیدیہ" کا موقف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا موقف تقیہ کے تحت نہیں بلکہ مبنی بر حکمت اور اپنی آزادانہ رائے سے تھا۔ اس ضمن میں ایک خاص واقعہ میرے ساتھ اس دورۂ ایران کے دوران پیش آیا۔ ایک عالم دین جن کی میرے دل میں بڑی قدر رہے' ان سے ایک رات میری گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے براہ راست ان سے خلافت راشدہ کے متعلق سوال کردیا۔ وہ اس کے لئے ذہناً تیار نہیں تھے۔ انہوں نے فوراً کہا وہ تو غاصب تھے' خلافت حضرت علی کا حق تھا' جسے غصب کیا گیا۔ اب دوبارہ صبح بھی ان سے میری ملاقات ہونا تھی۔ وہ رات بھر سوچتے رہے ہوں گے کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا' یہ سنی ہیں اور پاکستان سے آئے ہیں' یہ کیا تاثر لے کر جائیں گے۔ چنانچہ صبح جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی بات بیان کی جو بڑی ذہانت پر مبنی تھی۔ کہنے لگے کہ

ہم اس بات پر جمع ہو سکتے ہیں کہ امامت اور ولایت تو روزِ اول سے حضرت علیؓ ہی کی ہے' لیکن جیسے ہم نے جدید ایران میں کیا ہے کہ ایک طرف حکومت ہے' پارلیمنٹ ہے' صدر' وزراء اور حکومتی مشینری ہے' جبکہ دوسری طرف ہمارا ولایت فقیہ کا معاملہ ہے کہ علماء کی ایک باڈی ہے جس میں خامنہ ای ہیں جو رہبر ہیں۔ تو اسی طرح کا معاملہ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ کا ہے۔ گویا (ان کی تعبیر کے مطابق) حضرت علیؓ کو خامنہ ای کی جگہ پر سمجھا جائے گا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو رفسنجانی کی جگہ پر۔ اب ظاہر ہے کہ ان کے مابین مفاہمت موجود ہے' تب ہی تو نظام حکومت چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ میں نے ان کی رائے بیان کی ہے' میری یہ رائے نہیں ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ وہاں اذان اور اقامت میں حضرت علیؓ کے لئے جو اضافی الفاظ آتے ہیں ان میں "ولی اللہ" اور "حجتہ اللہ" کے الفاظ تو ضرور ہیں' لیکن "خلیفہ بلا فصل" کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ ایک اہم مثبت نکتہ ہے اور اعتدال کی طرف ایک قدم ہو سکتا ہے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ ترمیم ابھی کی گئی ہو۔ اگر ایسا فی الواقع ہے تو بہت مثبت ہے کہ ایرانی اہل تشیع اعتدال کی طرف کچھ نہ کچھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ پہلے سے تھی تو بھی یہ ایک مثبت نکتہ (positive point) ہے۔ اس اعتبار سے ہو تاکہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ عوامی سطح پر بھی ایرانی شیعیت کچھ اور ہے اور پاکستانی شیعیت کچھ اور۔

☆ <u>فقہ پر زور</u> : تیسرا منفی تاثر فقہ کے معاملے میں ہے۔ چونکہ یہ حکومت علماء کی ہے اور روایتی علماء کے ہاں فقہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے جیسے ہمارے ہاں فقہ پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے' اسی طرح وہاں بھی فقہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ فقہ اہل سنت اور فقہ جعفریہ دونوں دورِ ملوکیت میں مرتب ہوئی ہیں' اس لئے ان کے اندر ملوکیت کے اثرات موجود ہیں۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں حضرات نے مزارعت کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا' لیکن بعد میں جب ملوکیت کی چھاپ پڑی تو صاحبین نے مزارعت کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ اسے آپ چاہے مجبوری کہیں یا کچھ اور کہیں' بہرحال جب ملوکیت آ گئی تو اس کے اثرات تو پڑنے ہی تھے' جیسے مارشل لاء آ جاتا ہے تو پھر

سپریم کورٹ کیا کر سکتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی مزارعت اور مضاربت جیسے معاملات کو اسی طرح سے "اسلامی" بنایا گیا تھا جس طرح ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں ہمارے نظامِ بینکاری اور معاشی و اقتصادی نظام کو "اسلامی" بنایا گیا' ورنہ اس میں نظامِ اسلامی کا اصل حصہ یعنی سیاسی' سماجی اور معاشی انصاف کا عنصر تو موجود نہیں ہے۔

☆ سُنّی مساجد کی تعمیر پر پابندی: جہاں تک دستور کا معاملہ ہے وہ ایک فقہ' فقہ جعفریہ پر استوار ہے اور یہی پبلک لاء ہے' البتہ دستور کے مطابق پرسنل لاء میں تمام لوگوں کو اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر تو عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔ ہم نے خود شیعہ حضرات کے ساتھ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے' اسی طرح نماز سے قبل ہم نے اپنے سامنے رکھی ہوئی خاک کربلا کی ٹکیاں ہٹائی ہیں' لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' اس لئے کہ مذہبی آزادی ہے۔ البتہ تعمیر مساجد کے بارے میں گورنمنٹ کا موقف یہ ہے کہ ہم شیعہ اکثریت کے علاقے میں سنی مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ سنیوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کے ساتھ اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں اور سنی اکثریت کے علاقے میں شیعہ مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ شیعوں کو مجبور کرتے ہیں کہ سینوں کے پیچھے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ شیعہ اور سنی نماز میں اتنا فرق نہیں جو اکٹھے نماز پڑھنے میں مانع ہو' کیونکہ قیام' رکوع و سجود اور جلسہ وغیرہ کی ترتیب ساری یکساں ہے۔ لیکن یہ کہ اس "اصول" پر عمل درآمد نہیں ہوتا' بلکہ دوہرا معیار اپنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے تحقیق بھی کی اور وہاں کے ایک سنی عالم دین سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی اور کہا کہ ایرانی بلوچستان میں پہلے سے بھی شیعہ مساجد قائم ہیں اور اب نئی بھی بن رہی ہیں' کیونکہ وہاں کے شیعہ سنیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے' لیکن تہران میں گورنمنٹ کوئی سنی مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ تہران میں سنی بشمول پاکستانی سفارت خانے کے عملے کے ایک سکول میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ سکول کی حالت بھی زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اس کے لئے پاکستان بڑی عمارت خریدنا چاہتا ہے لیکن کسی وجہ سے اجازت نہیں مل رہی ہے۔ بہرحال مساجد کی تعمیر کے حوالے سے یہ رویہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سنیوں کو شیعہ اکثریت کے

علاقوں میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تو پھر شیعوں کو ایرانی بلوچستان میں مساجد تعمیر کرنے کی اجازت کیونکر ہے؟

اس ضمن میں میں حسن ظن سے کام لے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ شاید شیعہ عوام میں ابھی تک اعتدال پیدا نہیں ہو سکا۔ اس لئے شاید ان کا لحاظ کیا جا رہا ہے' لیکن بہرحال میرے نزدیک ایران کے دستور میں پرسنل لاء کے معاملے میں جو آزادی دی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ سنی مساجد بنانے کی آزادی بھی لازماً دینی چاہئے۔

☆ <u>تھیوکریسی اور وحدانی طرز حکومت</u> : میرے نزدیک جو جدید اسلامی ریاست خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد پر قائم ہوگی اس کا تصور (جو میں نے خطبات خلافت میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے) یہ ہے کہ ایک تو یہاں تھیاکریسی نہیں ہوگی' اور دوسرے یہ کہ وہ وحدانی نہیں بلکہ وفاقی طرز کی ہوگی' لیکن ایران میں یہ دونوں چیزیں اس کے برعکس ہیں۔ ایک یہ کہ بنیادی طور پر وہاں تھیوکریسی (علماء کی حکومت) ہے' دوسرے یہ کہ وہاں طرز حکومت وحدانی (unitary) ہے۔ گویا تمام اختیارات مرکز کو حاصل ہیں' صوبوں میں صوبائی اسمبلیاں تک نہیں ہیں' صرف گورنر ہیں' جو مرکز کی جانب سے نامزد کئے جاتے ہیں۔

میں ان دونوں چیزوں کو صحیح نہیں سمجھتا' اس لئے کہ میرے نزدیک تھیوکریسی بھی روح عصر کے منافی ہے اور وحدانی طرز حکومت بھی روح عصر سے مطابقت نہیں رکھتی۔ روح عصر سے ہم آہنگ ہونے کے لئے وفاقی طرز کی حکومت ہو اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

اس حوالے سے وہاں بعض علماء سے میری گفتگو ہوئی اور دوران گفتگو مجھے شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں "خطبات خلافت" کا فارسی ترجمہ جلد از جلد شائع کرا دینا چاہئے تاکہ یہ وہاں پہنچ جائے اور وہ ہمارے نظریات سے واقف ہو سکیں کہ ہم مستقبل کی اسلامی ریاست کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں۔ یعنی خلافت اسلامی قائم ہوئی تو وہ کس طرز پر ہوگی۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

باب سوم

شیعہ سُنّی اختلافات کا جائزہ

اور

حضرت

مہدیٔ موعود

کی شخصیت

کے بارے میں اہل سُنّت اور اہل تشیع کا موقف

☆

ڈاکٹر اسرار احمد

کا خطاب جمعہ

مہدئ موعود کی شخصیت

قرآن کے فلسفۂ تاریخ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۱/اکتوبر کا خطاب جمعہ

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ میرا بیرون ملک اور اندرون ملک سارا سفر طے شدہ پروگرام کے مطابق مکمل ہوا۔ میں نے ۲۰/ستمبر کا جمعہ نیویارک میں اور ۲۷/ستمبر کا جمعہ پاکستان کے انتہائی شمالی علاقے دِیر میں ادا کیا۔ جبکہ اس کے بعد ۴/اکتوبر کا جمعہ تنظیم اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع کے موقع پر راولپنڈی میں ادا کیا' جہاں میرے خطابِ جمعہ کی حیثیت سالانہ اجتماع کے افتتاحی خطاب کی تھی۔

میں کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ مجھے مالاکنڈ ڈویژن کے علاقے سے اس اعتبار سے خصوصی دلچسپی ہو گئی ہے کہ احادیثِ نبویہؐ میں جس "خراسان" کے بارے میں پیشینگوئیاں موجود ہیں کہ حضرت مہدی کی مدد کے لئے وہاں سے لشکر روانہ ہوں گے اس میں یہ علاقہ بھی شامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں "خراسان" کا اطلاق جس ملک پر ہوتا تھا اس میں ایران کے صوبہ خراسان کے علاوہ افغانستان کا تقریباً دو تہائی حصہ اور پاکستان کا کم از کم مالاکنڈ ڈویژن کا علاقہ شامل ہے۔ یہاں کے لئے کئی مرتبہ پروگرام بنے لیکن بوجوہ ملتوی کرنا پڑے۔ اس مرتبہ اگرچہ میں امریکہ سے آکر صرف ایک دن آرام کر سکا تھا لیکن میں نے پروگرام کے مطابق دیر کا طویل سفر اختیار کیا۔ وہاں پر بحمد اللہ ہمارا ایک بہت ہی کامیاب جلسہ ہوا۔

علماء کا حالیہ رویّہ اور اس کا سبب

اب میں اپنے آج کے موضوع کی طرف آتا ہوں' جس کا اخباری اشتہار آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا' یعنی "حضرت مہدئ موعود کی شخصیت"۔ اس کا سبب یہ ہے کہ

راولپنڈی میں اپنے ۴/اکتوبر کے خطاب جمعہ میں مَیں نے یقین کے درجے کو پہنچے ہوئے اپنے اس گمانِ غالب کا اظہار کیا تھا کہ عالمِ عرب میں حضرت مہدی کی ولادت ہو چکی ہے اور ان کے منظرعام پر آنے کا وقت اب زیادہ دور نہیں ہے۔ اس پر مذہبی حلقوں میں بہت لے دے ہوئی ہے اور ایک تہلکہ سا مچ گیا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے یہ کیا کہہ دیا! کسی نے یہاں تک کہا ہے کہ ان کا دماغی معائنہ کروانا چاہئے۔ مجھے ان صاحب کی اس پیشکش پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔ بہرحال اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں ہے کہ ہمارے ہاں علماء کا بھی ایک بہت بڑا طبقہ دین کی مسلّمہ باتوں تک سے ذہناً کس قدر دور ہو چکا ہے۔ تحریکِ خلافت کے ضمن میں جب میں نے بنّوں میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے وہ احادیث بیان کیں جن میں دنیا کے خاتمے سے قبل پورے کرۂ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی خوشخبری دی گئی ہے تو وہاں کے ایک جید عالم دین مولانا الطاف الرحمٰن بنوی صاحب (جو کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں قرآن اکیڈمی لاہور میں مدرس کی حیثیت سے کام کر چکے ہیں) نے گفتگو کے دوران اعتراف کیا کہ یہ احادیث ہمارے علم میں بھی نہیں ہیں' اس لئے کہ دینی مدارس میں کتبِ حدیث کے شروع کے ابواب تو بڑے اہتمام سے پڑھائے جاتے ہیں اور وضو اور نماز وغیرہ کے مسائل پر بڑی تفصیلی بحثیں کی جاتی ہیں کہ مختلف مسالک و مذاہب میں فقہی اختلافات کے دلائل کیا ہیں اور ان کے ضمن میں ہماری ترجیح کیا ہے اور اس کے کیا دلائل ہیں' لیکن آخر میں کتاب الفتن' کتاب الملاحم اور کتاب اشراط الساعۃ وغیرہ پر پہنچتے پہنچتے سارا زور صَرف ہو چکا ہوتا ہے اور ان ابواب کو سرسری طور سے پڑھ لیا جاتا ہے اور ان میں کوئی دلچسپی نہیں لی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ہاں علماء کے نام سے جو لوگ جانے پہچانے جاتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے بڑا ذہنی بُعد رکھتے ہیں اور مستند علماء دین کی اکثریت بھی ان سے بڑی حد تک ناواقف ہے۔ چنانچہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس ضمن میں جو مغالطے پیدا ہوئے ہیں اور لوگوں کو جو اشکالات پیش آرہے ہیں ان کے ازالے کے لئے میں اس موضوع پر ذرا مفصل گفتگو کروں۔

قرآن کا فلسفۂ تاریخ

آج کی گفتگو کے لئے میں قرآن حکیم کی اس آیت کو بطورِ عنوان اختیار کر رہا ہوں جس میں قرآن کا فلسفہ تاریخ بیان ہوا ہے :

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴾ (الانبیاء : ۱۸)

"مگر ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں' جو اس کا بھیجا نکال دیتا ہے' اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نابود ہو جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے تباہی ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم بناتے ہو۔"

یعنی اللہ تعالیٰ باطل کی سرکوبی کے لئے حق کا کوڑا اس کے سر پر مارتا ہے' جس سے باطل کا سرپاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر باطل کے لئے "فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہی لفظ (زھق) سورۃ الاسراء (آیت ۸۱) میں بایں طور آیا ہے :

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

"حق آگیا اور باطل مٹ گیا' باطل تو یقیناً مٹنے ہی والا ہے۔"

باطل میں یہ ہمت اور مقاومت نہیں ہے کہ وہ حق کے مقابل کھڑا ہو سکے۔ البتہ اگر اہل حق ہی بے یقینی کا شکار ہو جائیں' ان میں منافقت پیدا ہو جائے یا وہ بزدل' بے حمیت اور بے غیرت ہو کر اندر سے کھوکھلے ہو جائیں تو بات دوسری ہے۔ پھر تو "راج کرے گا خالصہ' ہور کرے نہ کوئے" کے مصداق باطل ہی ناچے گا بلکہ ننگا ناچ ناچے گا۔ اس بھیانک صورت حال کی عکاسی نبی اکرم ﷺ کی اس لرزا دینے والی حدیث میں ملتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے امام بیہقی "شعب الایمان" میں لائے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں :

((يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ' وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رَسْمُهُ'

مَساجدهم عامرةٌ وهی خرابٌ مِن الهُدٰی'
علماؤُهم شرُّمَنْ تحتَ اَدیمِ السَّمَاءِ' مِن عِندِهم
تخرُجُ الفتنةُ وَفِیهم تَعُود)) (مشکوٰۃ' کتاب العلم)

"قریب ہے کہ لوگوں پر یہ وقت آجائے کہ اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے حروف کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مساجد بظاہر بڑی آباد ہوں گی (اور بہت عالیشان ہوں گی) لیکن وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے کے بدترین لوگ ہوں گے' جو فتنوں کو جنم دیں گے اور یہ فتنے واپس انہی میں لوٹ جائیں گے۔"

آج ہمیں اس صورت حال کی جھلک اپنے ان علماء میں نظر آتی ہے جنہوں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی امت میں فتنے پیدا کرنے اور اس میں تفرقہ پیدا کرکے اپنی دوکان چمکانے سے ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ امت میں جتنا زیادہ اختلاف ابھرے گا' لوگوں کو مناظروں کے لئے مولویوں کی اتنی ہی زیادہ ضرورت ہوگی۔

تو اگر حق اس درجے کمزور اور کھوکھلا ہو چکا ہو تو پھر باطل کا بول بالا رہے گا' لیکن اگر کچھ بھی باصلاحیت' اعلیٰ کردار کے حامل لوگ' جنہیں خریدا نہ جاسکتا ہو' جو دین کو پیشہ نہ سمجھیں بلکہ اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق رکھتے ہوں' معتدبہ تعداد میں تیار ہو جائیں تو پھر وہ دیکھیں گے کہ باطل میں مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے اس فارسی شعر میں متذکرہ بالا آیت (بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ......) والا انداز ہی اختیار کیا ہے ؎

با نشّہٴ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!!

پہلے درویشی اختیار کرو۔ یعنی تربیت و تزکیہ کے مراحل سے خود کو گزارو' اپنے سیرت و کردار کو تزکیہ نفس کے ذریعے ایک خاص سطح تک لے کر جاؤ' پھر دعوت کے تقاضے پورے کرو' لوگوں پر اتمامِ حجت کرو' ان کے طعنے اور گالیاں سنو اور صبر کرو۔ اس طرح "تُو خاک میں مل اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام چلے" کے مصداق جب پختہ

ہو جاؤ تو باطل سے ٹکرا جاؤ۔ سمندر کے کنارے سے کچی ریت اٹھا کر اس کا گولہ بنا کر کہیں مارو گے تو ریت بکھر جائے گی' اس سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگڑے گا' یہاں تک کہ یہ شیشے کو بھی نہ توڑ سکے گی' لیکن اسی ریت کو اگر بھٹی میں پکا کر روڑا بنا لو گے تو یہ کار آمد ثابت ہو گا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنے ساتھیوں کی تربیت اور ان کا تزکیہ کیا۔ جب وہ آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بن گئے تو انہیں باطل کے مقابل لا کھڑا کیا اور ان کا کوڑا بنا کر باطل کے سر پر دے مارا جس سے باطل نابود ہو گیا اور حق کا بول بالا ہو گیا اس طرح "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ (صلیّ اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم اجمعین) نے جزیرہ نمائے عرب میں اسلامی انقلاب برپا کر دکھایا۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے حق کا کوڑا باطل پر برسایا اور اس کا بھیجا نکال دیا۔ یہ محض تعبیر کا فرق ہے کہ ہم اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کی طرف کریں یا اللہ تعالیٰ کی طرف کریں' اس لئے کہ فاعلِ حقیقی تو اللہ کے سوا کوئی ہے ہی نہیں' اور اس کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اذنِ رب ہی سے ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے وصایا میں یہ جملہ حرزِ جان بنانے کے قابل ہے کہ "لافاعلَ فِی الحقیقۃِ ولا مؤثرَ اِلَّا اللّٰہ" یعنی فی الحقیقت اللہ کے سوا کوئی فاعل اور کوئی مؤثر ہے ہی نہیں۔

سورۃ الانبیاء کی متذکرہ بالا آیت کا آخری ٹکڑا بھی بہت اہم ہے کہ "وَلَکُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ" یعنی "تمہارے لئے تباہی و بربادی ہے ان باتوں سے جو تم بناتے ہو"۔ اس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق ان پر بھی ہو سکتا ہے۔

زیرِ نظر آیت میں دراصل قرآن کا فلسفہ تاریخ بیان ہوا ہے کہ حق و باطل کی کشاکش روزِ اول سے چلی آ رہی ہے' جس میں اگرچہ اکثر و بیشتر باطل کا پلڑا بھاری دکھائی دیتا ہے' لیکن جب کبھی حق کو باکردار صاحبِ حق مل جائیں تو اس کا منطقی نتیجہ باطل کے نیست و نابود ہو جانے اور حق کے غالب ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ قرآن کے اس فلسفۂ تاریخ کو اقبال نے بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!

محمدؐ رسول اللہ ﷺ اور ابو لہب کے درمیان تصادم صرف مکہ کی سرزمین ہی پر نہیں ہوا' بلکہ یہ ہمیشہ سے موجود دو کردار ہیں جو حق اور باطل کی علامت ہیں اور ان کے درمیان کشاکش' تصادم اور معرکہ آرائی روزِ ازل سے جاری ہے۔ کبھی وہ چراغِ مصطفوی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں جلوہ گر ہوا تھا اور شرار بولہبی فرعون کی شکل میں آیا تھا۔ کبھی وہی چراغ مصطفوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت میں ظہور کر رہا تھا اور نمرود اس وقت شرار بولہبی کا مظہر تھا۔ ازل سے جاری حق و باطل کی یہ معرکہ آرائی بتدریج اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ ہر چیز ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان کا طبعی سائنس کا علم ارتقاء کرکے کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہے کہ ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!

انسان چاند پر تو قدم رکھ آیا ہے' جبکہ مریخ کا طواف ہو رہا ہے اور اسے وہاں اترنے میں کیا دیر لگے گی! اسی طرح حق و باطل کی کشمکش بھی ارتقاء کے مراحل طے کرتے کرتے اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ رہی ہے اور یوں سمجھئے کہ اب فائنل شوڈاؤن ہونے والا ہے۔ حق و باطل کا آخری مقابلہ بڑا ہی خون ریز اور تباہ کن ہوگا' جس کی تفاصیل ہمیں "کتاب الملاحم" کی احادیث میں ملتی ہیں۔ مَلاحِم' مَلْحَمَۃ کی جمع ہے' یعنی ایسی گھمسان کی جنگ کا موقع جہاں گوشت کے ٹکڑے اڑ رہے ہوں۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ "لحم" گوشت کو کہتے ہیں اور "مَلْحَم" قصاب کی دوکان کو۔

لفظ "مَلْحَمَۃ" کے حوالے سے مجھے فتح مکہ کا یہ واقعہ یاد آگیا ہے کہ اس روز حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں علم تھامے یہ رجز پڑھ رہے تھے "اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ" یعنی آج ٹکڑے اڑانے کا دن ہے' آج ہم کفارِ قریش سے ان کی زیادتیوں کے گِن گِن کر بدلے لیں گے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کے علم میں آئی تو آپؐ نے حضرت سعدؓ کو بلا کر فرمایا کہ نہیں' بلکہ "اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَۃ" یعنی

آج تو رحمتِ خداوندی کے ظہور کا دن ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ ؐ نے سردارانِ قریش کو جمع کر کے پوچھا کہ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟ اس پر انہوں نے انتہائی لجاجت کے ساتھ خوشامد کرتے ہوئے عرض کیا : کَرِیْمٌ ابنِ کَرِیْمٍ ---- یعنی آپ خود بھی ایک نہایت شریف انسان ہیں اور ایک نہایت شریف انسان کے بیٹے ہیں! مطلب یہ کہ ہم آپ سے اس طرز عمل کی توقع رکھتے ہیں جو آپ ؐ کی شرافت و نجابت کے شایان شان ہو۔ آپ ؐ نے فرمایا : تم نے ٹھیک کہا' آج میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف ؑ نے کہی تھی : "لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ' اِذْھَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ جاؤ' تم سب آزاد ہو!

تو کتاب الملاحم میں ان جنگوں کی تفاصیل پر مشتمل احادیث ہیں جو بعد میں آنے والی ہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا' حق و باطل کی کشاکش ازل سے جاری ہے اور اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اب یہ اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس کشاکشِ حق و باطل کا نقطۂ عروج (Climax) وہ جنگ عظیم ہوگی جسے احادیث میں "الْمَلْحَمَۃ الْعُظْمٰی" کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی یہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ ہوگی' جس کی ہلاکت آفرینی کا نقشہ ایک حدیث میں بایں طور کھینچا گیا ہے کہ زمین لاشوں سے اس طرح اٹی پڑی ہوگی کہ ایک پرندہ مسلسل اڑتا چلا جائے گا لیکن اسے زمین پر اترنے کے لئے جگہ نہیں ملے گی۔

عظیم جنگوں پر مشتمل اس دورِ فتن کا اختتام کس طور سے ہوگا؟ اس کے ضمن میں پیشینگوئیوں پر مشتمل احادیث میں بارہا بیان کر چکا ہوں۔ گویا پھر "جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ" کا نقشہ سامنے آئے گا اور آیتِ قرآنی "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی

اَلْبَاطِلِ" بتمام و کمال ظاہر ہوگی۔ پورے عالمِ انسانی پر اللہ کے دین کا غلبہ ہو گا اور توحید کا پرچم لہرائے گا۔ نورِ توحید سے یہ کرۂ ارضی منور ہو جائے گا۔ گویا "وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا"۔ زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ اس کی پیشینگوئیاں جہاں احادیث نبویہ میں موجود ہیں وہاں علامہ اقبال نے بھی اپنے اشعار میں جابجا کی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی ایک نظم تو میرے نزدیک الہامی نظم ہے۔ واضح رہے کہ وحی نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد ہم رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کے علاوہ کشف اور الہام کے قائل ہیں' کیونکہ ان کا ثبوت احادیث نبویہ سے ملتا ہے۔ اقبال کی اس نظم کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے ؂

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے!!

بہرحال یہ تو ہونا ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو کچھ ہونا ہے اس کا بھی میں اپنی تالیف "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" نامی کتاب میں قدرے تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

دورِ فتن میں ایک بہت نمایاں کردار جو ابھرے گا وہ دجال ہو گا' جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اس سے بڑا فتنہ پہلے کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ہو گا۔ اس دجال کو حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ زمین پر آ کر قتل کریں گے۔ اس دورِ فتن میں اہل ایمان میں سے بھی ایک نمایاں شخصیت ابھرے گی' جس کا نام مہدیؑ موعود ہے۔ علامہ اقبال کا ایک بڑا پیارا شعر ہے ؂

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری!

"اسرائیل" حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے' جن سے ان کی نسل بنی اسرائیل چلی۔ ان کے تایا حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے' جن کی نسل سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ تھے۔ چنانچہ مہدیٔ موعود کے بارے میں یہ کہنا چاہئے کہ "خونِ اسماعیل آجائے گا آخر جوش میں!" اس لئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی آل سے ہوں گے' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہوں گے اور اس بحر سے نکلنے والے ایک نہایت قیمتی موتی ہوں گے۔

ختمِ نبوت سے پیدا ہونے والا خلا کیسے پُر کیا گیا؟

مہدیٔ موعود کے بارے میں پہلے یہ بات جان لیجئے کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونے سے رحمتِ خداوندی کا جو باب بند ہوا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تلافی کس طور سے کی گئی؟ اللہ تعالیٰ نے اس خلا کو تین چیزوں سے پُر کیا :

۱۔ حفاظتِ متنِ قرآن : اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متن کی حفاظت کا خود ذمہ لے لیا کہ اس میں تحریف نہیں کی جا سکتی۔ انتہائی پُرفتن دور میں جبکہ قرآن کی تعلیمات کو فراموش کر دیا جائے گا' اُس وقت بھی اس کا متن محفوظ رہے گا۔ میں آپ کو حدیث سنا چکا ہوں : "لَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ"۔ شیطانِ لعین اور اس کی ساری صُلبی و معنوی ذریت خواہ جتنا چاہے زور لگا لے' قرآن مجید محفوظ رہے گا' تاکہ طالبِ ہدایت کے لئے ایک منارۂ ہدایت ہمیشہ موجود رہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے پہلے تورات اور انجیل بھی اللہ کی نازل کردہ کتابیں تھیں' لیکن اللہ نے ان کی حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں لیا۔ یہ معاملہ صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے کہ "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (الحجر : ۹) "یقیناً ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" اس آیۂ مبارکہ کا پہلا حصہ (اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ) کا اطلاق تو دیگر کتبِ سماویہ پر بھی ہوتا ہے' لیکن دوسرا حصہ (وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ) صرف قرآن حکیم پر منطبق ہوتا ہے۔

۲۔ مجدّدینِ اُمّت کا سلسلہ : ختم نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے ضمن میں دوسری چیز مجددینِ امت کا سلسلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ فِی ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَأۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا)) (ابوداؤد)

"یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے سرے پر ایک ایسی شخصیت کو اٹھاتا رہے گا جو اس (امت) کے لئے اس کے دین کو تازہ کردے گی۔"

مطلب یہ کہ دین پر جب سو برس کی مدت گزر جاتی ہے تو اس پر کچھ خارجی اثرات آجاتے ہیں۔ کچھ خارجی فلسفوں کا غبار اور کوئی بدعات کا طوفان اس کی اصل ہیئت کو تبدیل کرسکتا ہے۔ یہ سب کچھ دشمنی میں اور بدنیتی سے بھی ہوسکتا ہے اور دوستی میں اور نیک نیتی سے بھی ہوجاتا ہے۔ مثلاً حضرت مسیحؑ کے پیروکاروں سے نیکی میں غلو ہوگیا تو رہبانیت ایجاد ہوگئی۔ چنانچہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو یہ وضاحت کرنا پڑی کہ "لَارَھۡبَانِیَّۃَ فِی الۡاِسۡلَامِ" (اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے) اور یہ کہ "اَلنِّکَاحُ مِنۡ سُنَّتِیۡ" (نکاح میری سنت میں سے ہے) اور "مَنۡ رَغِبَ عَنۡ سُنَّتِیۡ فَلَیۡسَ مِنِّیۡ" (جسے میرا طریقہ پسند نہیں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)۔ تجدید کا مطلب تازہ (renew) کر دینا ہے اور مجدد کا کام یہ ہوتا ہے کہ دین پر جو بھی خارجی اثرات اور گردو غبار آجائے اسے ہٹا کر دین کا اصل رخ روشن' جیسا کہ وہ ہے' دنیا کے سامنے پیش کردے۔ مجدّدینِ امت کے بارے میں میں مزید چند باتیں بعد میں عرض کروں گا۔

۳۔ حق پر قائم جماعت : اس امت کے لئے تیسری ضمانت یہ دی گئی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔ یعنی اگر ایک طرف ہدایتِ نظری قرآن مجید میں محفوظ رہے گی تو دوسری طرف ہدایت عملی کے نمونے بھی ضرور موجود رہیں گے' خواہ وہ آٹے میں نمک کے برابر ہوں۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے' جسے بخاریؒ و مسلمؒ دونوں نے روایت کیا ہے کہ

سَمِعۡتُ النَّبِیَّ ﷺ : یَقُوۡلُ : ((لَایَزَالُ مِنۡ اُمَّتِیۡ اُمَّۃٌ

قَائِمَةٌ بِاَمرِاللّٰه --- وَفی روایۃٍ : قَائِمِینَ بِالْحَقِّ -- لَایَضُرُّھُم مَن خَذَلَھُم وَلَا مَن خَالَفَھُم' حتّی یَاْتِیَ اَمْرُاللّٰہِ وَھُم عَلٰی ذٰلِکَ)) (متفق علیہ)

(حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ) میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت اللہ کے امر پر قائم رہے گی'ایک دوسری روایت میں "حق پر قائم" کے الفاظ ہیں --- ان کو نہ تو وہ لوگ نقصان پہنچا سکیں گے (جو ان کے اعوان و انصار بننے کے بعد) ان کا ساتھ چھوڑ جائیں اور نہ ہی وہ لوگ جو ان کی مخالفت پر اتر آئیں۔ یہاں تک کہ اللہ کی بات پوری ہو جائے اور وہ اسی پر قائم رہیں گے"۔

یہ تیسری ضمانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ختمِ نبوت سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کرنے کے لئے دی ہے کہ اہلِ حق کی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی۔(یہ دوسری بات ہے کہ ہر زمانے میں اس کا نام اور عنوان بدلتا رہے گا)۔

مجدّدینِ اُمّت کے سلسلے اور اہلِ حق کی اس جماعت کے مابین ربط و تعلق کو اس طرح سمجھئے کہ ایک وقت میں ایک مجدّد کھڑا ہوا اور اس نے تجدید کا کام کیا تو کچھ لوگ اس کے ساتھی بن گئے۔ جیسے حدیث نبویؐ کی رُو سے ہر نبی کے کچھ ساتھی اور کچھ حواری ہوتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی یہ حدیث وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((مَا مِن نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِی اُمَّۃٍ قَبلِی اِلَّاکَانَ لَہٗ مِن اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّونَ وَاَصحَابٌ' یَاْخُذُونَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقتَدُونَ بِاَمرِہٖ......))

"کوئی نبی ایسے نہیں گزرے جنہیں اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث کیا ہو'مگر یہ کہ اس کے لئے اس کی امت میں سے کچھ (لوگ نکلتے تھے جو اس کے) حواری اور اصحاب ہوتے تھے۔ وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے......"

اسی طرح کا معاملہ مجددین کا ہے کہ جب بھی کوئی مجدد اٹھتے تھے تو ان کی تجدیدی مساعی اور

جدّ وجہد میں کچھ لوگ ضرور ان کے ساتھ ہو جاتے تھے' جو ان کی بات سنتے تھے' ان کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے تھے' ان کے اعوان و انصار اور مدد گار بنتے تھے' دامے درمے اور سخنے ان کے ساتھ بھرپور تعاون کرتے تھے' چنانچہ ان سے ایک جماعت وجود میں آ جاتی تھی' لیکن ایک مدت گزرنے کے بعد یہ جماعت اخلاقی و عملی انحطاط کا شکار ہو جاتی تھی۔ ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے' بلکہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی بنائی ہوئی جماعتیں بھی ان کے بعد اضمحلال کا شکار ہو جاتی رہی ہیں۔ خود محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جو جماعت بنائی وہ بھی تین چار نسلوں کے بعد زوال و انحطاط میں مبتلا ہو گئی تو تابہ دیگراں چہ رسد! چنانچہ یہی معاملہ مجدّدینِ امت کا ہوتا ہے۔ ایک صدی میں قریباً تین یا چار نسلیں گزرتی ہیں' اس کے بعد پھر نئے مجدد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص حق کو حق سمجھ کر Face Value پر اسے قبول کرتا ہے۔ اس کے لئے اسے کچھ چھوڑنا بھی پڑتا ہے' کچھ لوگوں کی ناراضی بھی مول لینا پڑتی ہے۔ لیکن اس کی آئندہ نسل یہ سمجھتی ہے کہ یہ چونکہ ہمارے باپ کا مسلک تھا اس لئے اب ہمیں بھی یہی اختیار کرنا ہے۔ ان کا اسے اختیار کرنا Face Valuet پر نہیں بلکہ عصبیت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جب یہ گروہ کچھ منظم ہو جاتا ہے تو ان کی آپس کی دوستیاں' رشتہ داریاں' کاروبار' ادارے اور مشترکہ مفادات انہیں باہم قریب رکھتے ہیں' جبکہ تیسری نسل محض ان مفادات کی خاطر اس جماعت سے وابستہ رہتی ہے اور پھر یوں سمجھ لیجئے کہ بیڑہ غرق ہو جاتا ہے۔ اب اس جماعت کی حیثیت محض ایک فرقے کی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر کسی کو اٹھاتا ہے تو ان میں سے جن کے اندر بھی کچھ جان ہوتی ہے وہ اس کے پاس آ جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ نئے لوگ آتے ہیں اور ایک نئے عنوان سے کام پھر شروع ہو جاتا ہے۔

یہ سلسلہ اسی انداز سے چلتا رہتا ہے جیسے اولمپک ٹارچ لے کر ایک کھلاڑی دوڑتا ہے اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد دوسرے کھلاڑی کو دے دیتا ہے۔ دوسرا کھلاڑی یہ ٹارچ تیسرے کھلاڑی کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس طرح کھلاڑی اگرچہ بدلتے رہتے ہیں لیکن وہی ٹارچ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ شیر شاہ سوری کے بنائے ہوئے ڈاک کے نظام کا تھا۔ آپ اندازہ کیجئے کہ آج سے پانچ سو برس پہلے اس نے ڈھاکہ سے پشاور

تک جرنیلی سڑک (جی ٹی روڈ) تعمیر کروائی اور ڈاک کا نظام قائم کیا۔ ہر تیس میل کے فاصلے پر ایک چوکی ہوتی تھی جہاں تازہ دم گھوڑے اور سوار موجود ہوتے۔ ایک گھڑسوار ڈاک کا تھیلا لے کر ایک چوکی سے دوسری چوکی تک سرپٹ دوڑتا اور اگلی چوکی سے دوسرا سوار اسی تھیلے کو لے کر برق رفتاری سے روانہ ہو جاتا۔ اس طرح ہر چوکی پر گھوڑا اور سوار تبدیل ہو جاتے لیکن ڈاک کا تھیلا وہی رہتا جو ڈھاکہ سے چلا تھا۔ اسی انداز سے جماعتیں اگرچہ بدلتی رہتی ہیں لیکن دین کا اصل پیغام اور اس کی اصل روح اگلی نسلوں کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا' ہر تین چار نسلوں کے بعد اس عمل میں تجدید کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی صرف تین نسلوں کی ضمانت دی ہے' جنہیں ہم "قرونٌ مَشهودٌ لهَا بِالخیر" کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی مشہور حدیث ہے : ((خَیرُ اُمَّتِی قَرنِی' ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم' ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَھُم الخ)) یعنی میری امت کا بہترین دَور میرا دَور ہے' پھر وہ لوگ جو اِن سے قریب کے دور میں ہوں گے' اور پھر وہ جو اُن سے قریب ہوں گے۔

(یہ حدیث متفق علیہ ہے اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے)

مجدّدین کے بارے میں بعض اہم باتیں

مجددین کے بارے میں بعض باتیں ایسی ہیں جن پر امت کا اتفاق ہے۔ مثلاً

(i) حدیث مبارک میں جو یہ فرمایا گیا کہ "علٰی رأسِ کُلِّ مِائةِ سَنةٍ" تو ان الفاظ سے صدی کا شروع یا صدی کا آخر مراد نہیں ہے' بلکہ یہ محاورہ ہے اور اس سے مراد "ہر صدی کے دوران" ہے۔

(ii) یہ ضروری نہیں کہ ایک وقت میں کوئی ایک شخصیت ہی تجدیدی مساعی میں مصروف ہو' بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ جدوجہد بیک وقت کئی لوگ کر رہے ہوں۔

(iii) کسی مجدد کو مجدد تسلیم کرنا یا نہ کرنا ایمان اور کفر کا معاملہ نہیں ہے۔ ایمان اور کفر کا معاملہ کسی نبی کی نبوت کو ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ غلام احمد قادیانی نے اگر صرف مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہوتا اور وہ نبوت کا دعویٰ نہ کرتا تو اس کی اور اس کی

امّت کی تکفیر نہ ہوتی۔ لاہوری مرزائی اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا کو نبی نہیں بلکہ صرف مجدد مانتے ہیں' لیکن جب یہ بات ثابت ہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو وہ کافر ہو گیا اور کافر کو مجدد ماننے والا بھی کافر ہے۔ نبوت تو حدِ فاصل ہے۔ سچے نبی کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جھوٹے نبی پر ایمان لانے والا کافر ہے۔ اس معاملے میں "Give the devil his due" کے مصداق قادیانیوں کی ہمت اور جرأت کی داد دینی چاہئے کہ وہ اپنے تئیں ہمیشہ ہمیں کافر قرار دیتے رہے ہیں' کیونکہ ہم ان کے نبی کو نہیں مانتے۔ سر ظفر اللہ پاکستان کا وزیر خارجہ تھا اور اس نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا' بلکہ ایک طرف بیٹھا رہا۔ جب اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے کہا تھا کہ "یا تو مجھے ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر سمجھ لو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر!" مجدد کو ماننے کا معاملہ نبوت سے مختلف ہوتا ہے۔ کسی کو مجدد ماننے یا نہ ماننے سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

(iv) اکثر مجددین مجدد ہونے کا دعویٰ کئے بغیر اپنی تجدیدی مساعی میں مصروف رہے اور بعد میں لوگوں نے سمجھا کہ یہ مجدّدِ وقت تھے جنہوں نے بہت بڑا کام کیا اور دین کو واقعتاً تازہ کر دیا۔ البتہ بعض مجددین ایسے بھی تھے جنہیں خود بھی اس کا ادراک و شعور تھا کہ وہ مجدد ہیں اور انہوں نے اپنی زندگی میں اس طرح کی باتیں بھی کیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ وقت کے مجدد ہیں۔ مثلاً شیخ احمد سرہندیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہاں ایسی باتیں ملتی ہیں۔ لیکن ان کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ جو ان کو مجدد نہیں مانے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!

(v) مجدّدینِ امت کے بارے میں ایک اہم بات میں نے بارہا عرض کی ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ میں پہلے ایک ہزار برس تک سارے کے سارے مجددین عالمِ عرب میں پیدا ہوئے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔ ان کے بعد امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہؒ اپنے اپنے وقت کے مجددین تھے۔ لیکن جیسے ہی دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو اس امتِ مسلمہ کا روحانی اور علمی مرکزِ ثقل برِّعظیم پاک و ہند میں منتقل کر دیا گیا۔

چنانچہ گیارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں دو مجدد ہوئے ہیں۔ ایک تو مجدّدِ اعظم ہیں' یعنی مجدّدِ الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی" اور دوسرے شیخ عبدالحق محدث دہلوی" ۔ بارہویں صدی کے مجدّدِ اعظم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" ہوئے ہیں' لیکن ان کے ساتھ ہی عالمِ عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نجدی بھی تھے' اگرچہ ان دونوں کا تقابل کیا جائے تو شاہ ولی اللہ" کے مقابلے میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی" بالکل بونے نظر آتے ہیں۔ لیکن بہرحال وہ بھی مجدد تھے' انہوں نے مشرکانہ عقائد' غلط روایات' غلط رسومات اور بدعات کے انبار کو صاف کیا۔ تیرہویں صدی ہجری کے مجددین وہ تھے جنہوں نے مغربی استعمار کے خلاف تلوار اٹھائی۔ ان میں سوڈان کے مہدی سوڈانی اور لیبیا کے سنّوسی بھی تھے' لیکن عظیم ترین مجدد اس خِطّۂ ہند سے سید احمد شہید بریلوی" تھے' ان کے ساتھ شاہ اسماعیل شہید" بھی تھے۔ یہ پہلے پنجاب کو سکھوں سے پاک کرنے کے بعد پھر انگریز سے نبرد آزمائی چاہتے تھے' لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ ان کی تحریک "تحریکِ شہیدین" اگرچہ دنیوی اعتبار سے ناکامی سے دوچار ہوئی لیکن اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا' وہ تو مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہو کر کامیاب ہو گئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں جو دنیوی اعتبار سے بظاہر ناکام چلے گئے' مجدّد تو پھر مجدد ہیں۔

میرے نزدیک چودھویں صدی کے مجدّدِ اعظم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی" تھے' البتہ ان کے ساتھ ساتھ بعض دیگر حضرات کی تجدیدی مساعی بھی بہت اہم ہیں۔ ان میں ایک شخصیت علامہ اقبال کی ہے جو اگرچہ داڑھی مُنڈے تھے اور ان کا عمل کا پلڑا (ان کے فکر کے مقابلے میں) بہت ہلکا تھا' لیکن ع "اگرچہ سر نہ تراشد قلندری داند!" کے مصداق انہوں نے فکرِ اسلامی کی تجدید کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اسی طرح ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران لوگوں کو قرآن کی طرف راغب کرنے کے لئے جتنی زوردار دعوت دی اس کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے انہیں دعوتِ قرآنی کا مجدّد قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں وہ علماء کے طرزِ عمل سے مایوس اور بددل ہو کر کانگریس میں شامل ہو گئے کہ یہ مولوی نہ خود کچھ کریں گے نہ کسی دوسرے کو کچھ کرنے دیں گے۔ انہی میں ایک شخصیت سید ابوالاعلیٰ مودودی

کی ہے جو میرے نزدیک تحریکِ اسلامی کے مجدّد ہیں۔ انہوں نے جماعت اسلامی کے نام سے ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت قائم کی جس میں ایسے پاکباز لوگ شامل ہوتے جو پہلے اپنی معاش اور معاشرت کو حرام سے پاک کر کے آتے۔ یہ نہیں تھا کہ اپنے وجود پر تو اسلام کا نفاذ نہ ہو' اپنے گھر میں اسلامی معاشرت کا نقشہ نظر نہ آئے' معاش میں حرام کی آمیزش بھی ہو' لیکن اسلام کا نعرہ بھی لگا رہے ہوں۔ مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت آج کی جماعت اسلامی سے بہت مختلف تھی۔ آج شبابِ ملّی اور پاسبان کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے اس کا تو اُس وقت تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسی طرح تبلیغِ دین کے ضمن میں مولانا الیاس کی تجدیدی مساعی اس قدر اہم ہیں کہ میں انہیں مجدّدِ تبلیغ قرار دیتا ہوں۔ ورنہ تبلیغ تو ایک پیشہ بن چکی تھی۔ پیشہ ور مبلغ اجرت لے کر فرقہ وارانہ تقریریں کرتے اور مختلف فرقوں کے مبلغ دوسرے فرقوں پر کفر کے فتوے لگاتے۔ اس طرح کی "تبلیغ" کا نقشہ ہمیں آج بھی کہیں کسی "عظیم الشان تبلیغی کانفرنس" میں نظر آ جاتا ہے جہاں رفع یدین کے حق میں یا اس کے خلاف دلائل دیئے جا رہے ہوتے ہیں یا تعدادِ تراویح کا مسئلہ زیر بحث ہوتا ہے۔ اُس دور میں "تبلیغ" کا یہ انداز بہت عام تھا اور مولوی مرغوں کی طرح لڑتے تھے اور پیسے لیتے تھے۔ کہتے ہیں کہ گڈا چلتے چلتے دلدل میں کسی کھانچ کے اندر جا کر پھنس جائے تو اسے نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن مولانا الیاس جیسے نحیف الجثہ انسان نے تبلیغ کے اس گڈے کو دلدل سے نکالا اور ایسے مبلغینِ دین کی جماعت تیار کی جو بغیر کسی تنخواہ کے' اپنا راشن اور اپنا کرایہ خرچ کر کے تبلیغ کے لئے نکلتے۔ آج اس انداز پر تبلیغ کے عنوان سے دنیا میں لاکھوں آدمی گردش میں ہیں۔ مولانا الیاس نے اس عظیم کام کا آغاز تن تنہا کیا تھا۔ ہندوستان میں جب شدھی کی تحریک چلی تو جو علاقے اس سے شدید متاثر ہوئے ان میں میوات کا علاقہ بھی تھا۔ دراصل بہت سے ایسے لوگ جن کے آباء و اجداد کسی صوفی بزرگ کی کرامات دیکھ کر ایمان لے آئے تھے لیکن ان کی تعلیم و تربیت اسلام کے مطابق نہ ہو سکی' ان کا حال یہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل بیگانہ تھے' بلکہ ان میں سے بہت سوں کو تو کلمہ بھی نہیں آتا تھا' ان کے نام بھی کچھ مسلمانوں کے سے تھے اور کچھ ہندوؤں کے سے۔ ہندوؤں کے

لئے ایسے مسلمانوں کا شکار کرنا اور انہیں شدھی کرلینا بہت آسان تھا۔ جب ایسے لوگ دھڑا دھڑ شدھی ہونے لگے تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا اور مسلمانوں میں شدید تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ ان علاقوں میں تنخواہ دار مبلغ بھجوائے گئے' لیکن وہ بھلا کہاں دیہات کی خاک چھانتے۔ ملازم آدمی کی ایک اپنی ذہنیت ہوتی ہے' اسے تو بس اپنے ڈی اے' ڈی اے سے غرض ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک گاؤں میں تقریر کرکے رپورٹ میں دس دیہات کا دورہ لکھ دیتے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا کوئی نتیجہ نہیں نکل رہا تھا۔

ان حالات میں مولانا الیاسؒ کو ایک عجیب احساس ہوا' اور یہ اس طرح کا احساس تھا جو سیب کو اوپر سے نیچے کی طرف گرتے دیکھ کر نیوٹن کو ہوا تھا اور اس نے زمین کی کششِ ثقل کا راز معلوم کرلیا تھا' یا چولہے پر رکھی دیگچی کا ڈھکنا ہلتے دیکھ کر جارج سٹیفن کے ذہن میں پیدا ہوا تھا اور اس نے بھاپ کی طاقت کا اندازہ کرکے سٹیم انجن ایجاد کرلیا تھا۔ ہوا یوں کہ مولانا الیاس ایک روز مسلمانوں کی حالتِ زار پر متفکر بیٹھے تھے کہ انہیں چند میواتی اپنے گاؤں سے مزدوری کے لئے آتے دکھائی دیئے۔ مولانا نے ان سے پوچھا کہ بھائی تمہیں کتنی مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتایا کہ دو آنے روزانہ۔ اس پر مولانا نے ان سے کہا کہ اچھا بھائی' دو دو آنے تم مجھ سے لے لینا اور آج کا دن تم میرے پاس رہو۔ مولانا نے ان میواتیوں کو وضو کرنا سکھایا' نماز سکھائی' ان کا کلمہ درست کیا اور شام کو انہیں دو دو آنے دے دیئے۔ پھر یہ مولانا کا روز کا معمول بن گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ نکل آئے جنہوں نے اپنا وقت فارغ کیا اور اب وہ کلمے کی تحریک بن گئی۔ یہ لوگ بستی بستی جاتے' جنہیں کلمہ نہیں آتا تھا انہیں کلمہ سکھاتے' لوگوں کو نماز سکھاتے اور نماز پڑھنے کی تلقین کرتے' غیر آباد مسجدوں کو صاف کرکے انہیں آباد کرنے کی کوشش کرتے۔

یہ وہ عظیم شخصیتیں ہیں جو چودھویں صدی میں ہندوستان کی سرزمین پر پیدا ہوئیں' جبکہ پوری دنیا میں ان کا کوئی پاسنگ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک استثناء حسن البنّاء شہید کا ضرور ہے جو تحریک اسلامی کے مجدد کی حیثیت سے عالمِ عرب میں ابھرے' لیکن میرے نزدیک مولانا مودودی کی شخصیت اور حسن البناء کی شخصیت کے مابین وہی نسبت ہے جو شاہ ولی اللہ اور محمد بن عبد الوہاب کی شخصیتوں کے مابین ہے۔ حسن البناء اگرچہ جوش اور

جذبے میں تو مولانا مودودی سے بہت آگے ہیں' لیکن وہ نہ مصنف ہیں' نہ صاحبِ تفسیر ہیں' اور نہ ہی مفکر ہیں۔

اس کے بعد اب پندرہویں صدی کے مجددین کا معاملہ سمجھ لیجئے۔ میرے گمان میں اس صدی کا مجدّدِ اعظم وہی شخص ہو گا جس کے بارے میں احادیث نبویہؐ میں "مہدی" کا لفظ آیا ہے۔ آج زمانہ چلتے چلتے جس مقام پر پہنچ چکا ہے اور دنیا کے حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں ان کے پیش نظر مجھے امید ہے کہ عنقریب جزیرہ نمائے عرب میں ان کے منظر عام پر آنے کا معاملہ ہو جائے گا۔ اس ضمن میں میں چند احادیث پیش کروں گا' لیکن پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ اہلِ تشیّع اور اہلِ سُنّت کے نزدیک مہدی کے تصور میں بہت فرق ہے۔

اہلِ تشیّع اور اہلِ سُنّت کا تصورِ مہدی

اہلِ تشیع کا تصور یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد "امامتِ معصومہ" کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوا ہے اور ان کے بعد تمام "ائمہ معصومین" حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہیں۔ یعنی پہلے امام معصوم حضرت علیؓ' پھر حضرت حسنؓ' پھر حضرت حسینؓ' پھر علی ابن حسین زین العابدینؒ' پھر محمد باقرؒ اور پھر جعفر صادقؒ ہیں۔ امامتِ معصومہ کا تصور رکھنے والے تمام امامیہ کے نزدیک یہ چھ ائمہ متفق علیہ ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفر صادقؒ کے چھوٹے بیٹے موسیٰ کاظمؒ کی نسل سے ہونے والے پانچ ائمہ کو ماننے والے موسوی کہلاتے ہیں' جو ہمارے ہاں کے اہلِ تشیع ہیں' جبکہ جعفر صادقؒ کے بڑے بیٹے اسماعیلؒ کو امامِ معصوم قرار دے کر ان سے چلنے والی شاخ کو ماننے والے اسماعیلی کہلاتے ہیں۔ موسوی شاخ کے پانچ ائمہ کے بعد چھٹا' جبکہ آغاز سے شمار کریں تو بارہواں امام' اہلِ تشیّع کے عقیدے کے مطابق امام غائب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اندیشہ تھا کہ خلفائے بنو عباس بارہویں امام کو شہید کر دیں گے لہٰذا انہیں کسی غار میں چھپا دیا گیا۔ تقریباً دو سو برس تک تو وہ "غیبوبتِ صغریٰ" کی حالت میں رہے' یعنی اگرچہ وہ منظر عام پر نہیں رہے' لیکن ان کی امامت بالفعل قائم تھی' ان کے معتقدین ان کے پاس جا کر ان سے

ہدایات لے لیتے تھے‘ لیکن اس کے بعد ان کا ”غیوبتِ کبریٰ“ کا دور شروع ہوا جس میں ان کے ساتھ کسی کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک یہی امام غائب امام مہدی ہیں جو قیامت سے قبل ظاہر ہوں گے۔

دوسری طرف اسماعیلیوں میں آگے چل کر پھر دو شاخیں ہو جاتی ہیں‘ جن میں سے ایک شاخ امامِ حاضر کا عقیدہ رکھتی ہے۔ پرنس کریم آغا خان ان کا امام حاضر ہے جو انکے نزدیک (معاذ اللہ) نبی کی طرح معصوم ہے اور اس سے خطا کا صدور نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اسماعیلیوں ہی کی دوسری شاخ میں بھی ایک امام غائب ہو گئے تھے‘ لہٰذا ان کے پیشوا کو امام نہیں بلکہ داعی کہا جاتا ہے۔ اسماعیلیوں کا یہ فرقہ بوہری کہلاتا ہے اور آج کل ان کے داعی برہان الدین ہیں۔

اہلِ تشیّع کے برعکس اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ معصومیت خاصّۂ نبوت ہے اور ختمِ نبوت کے بعد معصومیت ختم ہو گئی۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی معصوم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی معصوم نہیں تھے۔ ہمارے نزدیک مجددین کا جو سلسلہ چودہ سو سالوں سے چلا آرہا ہے‘ حضرت مہدی کو بھی اسی کی ایک کڑی قرار دینا درست ہو گا۔ البتہ احادیثِ نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہوں گے‘ اور حضرت فاطمہؓ کی نسل کی حَسنی شاخ سے ان کا تعلق ہو گا۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا نام میرے نام پر ہو گا یعنی محمد۔ اور ان کے باپ کا نام بھی میرے باپ کے نام پر ہو گا یعنی عبداللہ۔ اور وہ شخص عرب میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کرے گا۔ آنحضورؐ نے پورے عالم اسلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف عرب کے بارے میں یہ بات فرمائی۔ اس شخص کو ہم مہدی کے نام سے جانتے ہیں۔

مہدی کے معنی کیا ہیں؟ ہدایت یافتہ شخص۔ ہادی کا مطلب ہے ہدایت دینے والا (یہ اسمِ فاعل ہے) اور مہدی وہ ہے جس کی ہدایت ہو گئی ہو‘ وہ جو ہدایت یافتہ ہو۔ مہدی ان کا صفاتی نام ہے‘ اصل نام محمد ہو گا۔ ان کے والد کا نام عبداللہ ہو گا اور وہ حضرت حسنؓ کی نسل سے ہوں گے‘ گویا حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

حضرت مہدی کی آمد؟

یہ تو وہ چیزیں ہیں جو اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔ رہا یہ سوال کہ وہ کب آئیں گے؟ اور آیا ان کی پیدائش ہو چکی ہے؟ اس بارے میں قیاس آرائی تو ہو سکتی ہے' یقین کی بنیاد پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ تاہم میرا قیاس ہے بلکہ گمان غالب ہے کہ ان کی پیدائش ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ میں حالات کو دیکھ رہا ہوں۔ گزشتہ چار سو سال کی تاریخ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ کتاب الفتن' کتاب الملاحم اور کتاب علاماتِ قیامت (اشراط الساعۃ) میں شامل احادیث میرے سامنے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف"۔ میں نے اپنے لئے علامہ کے اس شعر میں کچھ ترمیم کی ہے۔ علامہ خاکِ نجف سے حضرت علیؓ مراد لیتے ہیں جبکہ میرے نزدیک حضرت علیؓ بھی اصلاً خاک مدینہ ہی کے گلِ سرسبد ہیں۔ میں اسے خاکِ حجاز سے تعبیر کرتا ہوں۔ میں اسے یوں پڑھوں گا : "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قدس"۔ حولِ قدس کیا ہے؟ بیت المقدس کا ماحول' جس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿سُبْحٰنَ الَّذِی اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝﴾ یہ علاقہ اڑھائی ہزار برس تک نبیوں کا مسکن رہا' سینکڑوں نبی یہاں پیدا ہوئے' سینکڑوں نبیوں نے یہاں وحدت کا گیت گایا اور توحید کا نعرہ بلند کیا۔ مجھے اقبال کا ایک مصرع یاد آ گیا : ع "چشتی نے جس زمیں میں وحدت کا گیت گایا"۔ بہرکیف یہی وہ سرزمین ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی حمد کے ترانے الاپے تھے۔ پہاڑ اور پرندے ان ترانوں کو سن کر وجد میں آ جاتے تھے۔ اسی زمین میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ دفن ہیں۔ اسی زمین میں بنی اسرائیل کے سینکڑوں انبیاء دفن ہوئے۔ یہی وہ سرزمین ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ کی امین ہے۔ اسی سرزمین کے بارے میں قرآن نے کہا : "اَلَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ"۔ سرزمینِ حجاز ہو یا ارضِ فلسطین دونوں کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے ایک شاخ ان کے بڑے بیٹے اسماعیلؑ کے ذریعے چلی۔ وہ حجاز میں آباد ہوئے۔ اسی سرزمین میں آنحضور ﷺ کی پیدائش ہوئی اور حضرت علیؓ کا تعلق بھی اسی علاقے اور حضرت ابراہیمؑ کی اسی شاخ سے ہے۔ اسی اعتبار سے میں اس ترمیم شدہ شعر میں حضرت علیؓ کو حضورؐ سے علیحدہ نہیں سمجھتا کہ "حجاز" کا لفظ دونوں کو شامل ہے۔ اسی سرزمین میں آنحضور ﷺ پر قرآن حکیم کا نزول ہوا۔ "حولِ قدس" سے مراد فلسطین کا وہ علاقہ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق آباد ہوئے اور جو سینکڑوں انبیاء کا مسکن اور سابقہ امت کا مرکز بنا۔ متعدد آسمانی کتابیں اس علاقے میں اتریں۔ میں نے اسی حوالے سے اس مصرعے میں "حجاز" کے ساتھ "حَولِ قُدس" کو شامل کیا ہے کہ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ حجاز و حولِ قُدس!"

بہرکیف قرآن و حدیث ہی نہیں سابقہ آسمانی کتابوں کے مطالعے کی بنیاد پر اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کو دیکھتے ہوئے میں یہ بات تقریباً یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب حضرت مہدی کے زیرِ قیادت عرب مسلمان یہودیوں کے خلاف صف آراء ہوں گے۔ دیکھئے' اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا یقین ہے' لیکن اسے دیکھا تو کسی نے نہیں ہے۔ ہاں قرائن سے اسے پہچانا ہے' آیات سے پہچانا ہے ﴿ اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِی تَجْرِی فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا...... الخ ﴾ یہ آیاتِ آفاقی جو ہمارے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہیں' ان کے ذریعے اللہ کو پہچانا ہے۔ تو موجودہ حالات پر اگر نگاہ ہو اور جو علامات احادیث کے اندر بیان ہوئی ہیں' ان پر اگر نظر دوڑائیں تو محسوس ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل حق و باطل کا جو آخری معرکہ (Final Show down) ہونے والا ہے' جو درحقیقت یہود اور مسلمانوں کے درمیان ہوگا' وہ اب بہت قریب آچکا ہے۔ یہود کے مذہبی عناصر کا شدید دباؤ ہے کہ یہودیوں کی ریاست کے قیام کے بعد اب فی الفور تھرڈ ٹمپل تعمیر ہونا چاہئے۔ یعنی ہیکل سلیمانی کو اس کی بنیادوں پر تیسری بار تعمیر کیا جائے' جس کے لئے لازم ہے کہ مسجدِ اقصیٰ گرائی جائے۔ اس کے قریب جو سرنگ ہے وہ اب

اسرائیلی ریاست نے کھول دی ہے' ہفتے میں پانچ دن کھلی رہے گی اور دو دن یعنی سبت اور سنڈے کو بند رہے گی۔ گویا مسجد کو گرانے کا سامان کر لیا گیا ہے۔ اب کسی دن مذہبی یہودیوں میں سے کوئی جنونی جائے گا' جیسا کہ اس سے قبل ایک موقع پر مسجد خلیل میں جا کر ایک یہودی نے کتنے ہی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا اور پھر خودکشی کر لی تھی' اسی طرح کا کوئی جنونی جائے گا' اور اس سرنگ میں کوئی بڑا دھماکہ کر دے گا' خود بھی ختم ہو جائے گا اور مسجد اقصیٰ بھی منہدم ہو جائے گی۔ اسرائیلی حکومت یہ موقف اختیار کرے گی کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں' یہ جنونی آدمی تھا' اس طرح کے پاگل ہر جگہ ہوتے ہیں' عیسائیوں میں بھی' مسلمانوں میں بھی اور یہودیوں میں بھی' ہمارے ہاں کا بھی ایک پاگل تھا جس نے یہ حرکت کی۔ تاہم اب جبکہ یہ مسجد منہدم ہو ہی گئی ہے تو ہمیں اپنا ٹیمپل تعمیر کرنے دو۔ اس کا ریہرسل اس سے قبل ہندوستان میں ہو چکا ہے کہ بابری مسجد جب کچھ ہندو جنونیوں نے گرا ہی دی تو بابا اب رام مندر ہی بنانے دو۔ یہی معاملہ اب یروشلم میں ہونے والا ہے۔ اس کے بعد جو طوفان اٹھے گا اور عالم عرب کے مخلص مسلمان جس طرح ایک دم اٹھ کھڑے ہوں گے' چشمِ تصور سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے یہاں خلافت کانفرنس میں نیویارک سے جو مہمان مقرر تشریف لائے تھے' عمران این حسین' جنہوں نے بحمد اللہ تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر لی ہے' اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے' انہوں نے گزشتہ رات قرآن آڈیٹوریم میں اپنی تقریر کے دوران بعض بہت پتے کی باتیں کی ہیں۔

انہوں نے فتنہ دجال پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ قربِ قیامت کے واقعات کے ضمن میں بعض احادیث میں حج کے موقوف ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے کہ حج بند ہو جائے گا' اور اس کے آثار موجود ہیں' اس لئے کہ سعودی عرب کے اندر حالات اب خاصے مخدوش ہیں۔ ماضی قریب میں دو بم دھماکے امریکیوں کے خلاف ہو چکے ہیں اور دوسرے دھماکے میں تو بیس افراد مارے گئے۔ اس کے بارے میں امریکہ کی سی۔ آئی۔ اے کی رپورٹ یہ ہے کہ یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ سعودی فوج کے اندر کے بعض عناصر نے یہ کام کیا ہے۔ آخر سعودی فوجیں بھی مسلماں ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی

وہاں موجودگی انہیں یقیناً کھلتی ہوگی۔ اگر ان میں سے اکثرت بے غیرت ہو گئے ہوں تب بھی ان میں کچھ افراد تو غیرت مند بھی ہوں گے۔ لہٰذا اندیشہ ہے کہ کوئی بہت بڑا طوفان وہاں آنے والا ہے۔ اور فرض کیجئے' جیسا کہ گمانِ غالب ہے' شدید اندیشہ ہے کہ اگلے سال ۹۷ء میں مسجد اقصیٰ شہید کردی جائے گی۔ اس کے لئے فضا ہموار کی جارہی ہے۔ ٹی وی پر ایک فلم دکھائی جارہی ہے جس میں وہ سرنگ (tunnel) دکھائی گئی ہے جو مسجد اقصیٰ کے نیچے کھولی گئی ہے' کہ یہاں پہلے ان کا ٹمپل ہوتا تھا جس کے انہدام کے بعد اس جگہ مسلمانوں نے مسجد تعمیر کرلی۔ اس طرح رائے عامہ کو ہموار کیا جارہا ہے اور یہ بات تو ہم بھی مانتے ہیں کہ اسی جگہ پر تھا' اسے سب سے پہلے گرایا تھا بخت نصر نے' پھر اسے حضرت عزیرؑ نے تعمیر کیا' پھر دوبارہ گرایا ٹائٹس رومی نے ۷۰ء میں' اس کے بعد سے آج تک وہ گرا پڑا ہے۔ مسلمانوں نے اگرچہ اسے نہیں گرایا لیکن یہ کہ اس جگہ پر مسجد ضرور تعمیر کی ہے۔ بہرحال اس حوالے سے اب جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں عالم عرب کے اندر ایک زبردست خلفشار پیدا ہوگا۔ یہ حدیث میرے سامنے پہلے بھی تھی' کئی دفعہ میں نے اپنی تقاریر میں اس کا حوالہ بھی دیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ خواب کی کیفیت میں کچھ دیکھا اور پھر آپؐ چونک کر اٹھے اور آپؐ نے فرمایا : وَيۡلٌ لِّلۡعَرَبِ مِنۡ شَرٍّ قَدِ اقۡتَرَبَ "ہلاکت اور بربادی ہے عربوں کے لئے اس شر سے کہ جو قریب آچکا ہے"۔ تو ابھی تک کوئی خاص ایسا شر عربوں کے لئے مجموعی طور پر نہیں آیا جس پر اس حدیث کا اطلاق کیا جا سکے۔ میرے نزدیک اس حدیث میں اسی "الملحمة المعظمٰی" کی طرف اشارہ ہے جس میں سب سے بڑی تباہی عربوں پر آئے گی (واللہ اعلم)۔ بعض اور احادیث سے بھی اسی جانب رہنمائی ملتی ہے۔

میری اس قیاس آرائی کی کہ حضرت مہدیؑ موعود کی آمد اب زیادہ دیر کی بات نہیں' تائید سعودی عرب میں سعودی شاہی خاندان کی موجودہ صورتحال سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آل سعود کی حکومت میں جو تسلسل اور استحکام ہے اس کا راز اس میں مضمر ہے کہ ان کے ہاں جانشینی کا معاملہ ابھی تک طے شدہ اصولوں کے مطابق چل رہا ہے۔ ملک عبدالعزیز بن سعود کے بیٹوں میں سے ولی عہدی کی ترتیب پہلے

سے طے شدہ ہے' ایک بھائی کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا عنانِ حکومت سنبھالتا چلا آ رہا ہے۔ بھائیوں کی قطار ماشاء اللہ خاصی لمبی ہے لہٰذا اگلی نسل میں ابھی یہ معاملہ منتقل ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ جیسے ہی کوئی نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے ولی عہد کا اعلان بھی اسی وقت کر دیا جاتا ہے تاکہ اگر شاہ کی اچانک موت واقع ہو جائے تو ولی عہد فوراً چارج سنبھال لے اور کوئی بحرانی صورتحال پیدا نہ ہونے پائے۔

یہ ان کی خاندانی روایت ہے اور ان کے ہاں اب تک یہی معاملہ ہوتا رہا ہے لیکن یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ شاہ فہد کا جو ولی عہد ہے وہ امریکہ کو پسند نہیں ہے۔ پرنس عبداللہ کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ کچھ مذہبی مزاج کا آدمی ہے اور اسے فنڈامنٹلسٹ سمجھا جاتا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ فہد کے بعد اس کی بجائے کسی اور کو تاج و تخت سونپا جائے جو امریکی مفادات اور عزائم کے راستے کی رکاوٹ ثابت نہ ہو۔ اگر طاقت کے نشے میں امریکہ نے یہ حماقت کی اور اپنے دباؤ کے ذریعے سعودی روایات کے برعکس موجودہ ولی عہد کے بجائے کسی اور کو فہد کی جگہ تخت پر بٹھایا تو شدید اندیشہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ اور اس خانہ جنگی کے دوران ایک شخصیت ابھرے گی اور وہ مہدی ہوں گے۔

مہدئ موعود' احادیث کے آئینے میں

اب ہم حضرت مہدی کے بارے میں چند احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عن عبداللّٰہ بن مسعود ﷺ قال قال رسولُ اللّٰہ ﷺ :
((لَاتَذْھَبُ الدُّنیا حتیٰ یَمْلِکَ العربَ رجلٌ مِن اھلِ بَیتِی یُواطِیُٔ اسْمُہٗ اسْمِی)) (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "دنیا اس وقت تک ختم نہ ہو گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا بادشاہ نہ بن جائے۔ اس کا نام میرے نام کے موافق ہو گا۔"

اب دیکھئے حضور ﷺ کے بعد آج تک تو آپ ؐ کے اہل بیت میں سے کسی کی بادشاہت

عرب پر قائم نہیں ہوئی۔ خلفائے راشدہ میں سے حضرت علیؓ آپؐ کے اہل بیت میں سے تھے' لیکن ان کی حکومت بھی پورے عرب پر قائم نہیں ہو سکی۔ بنو امیہ اور بنو عباس بھی آپؐ کے اہل بیت میں سے نہ تھے۔ تو یوں سمجھئے کہ اہل بیت کا لفظ نسل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور جس بادشاہ کا ذکر اس حدیث میں ہے وہ آپؐ کی نسل سے ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ یہ روایت جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔ جبکہ ابوداؤد کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں :

((لَوْلَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنيا اِلاّ يَوْمٌ يطولُ اللّٰه ذٰلكَ اليَومَ' حتّٰى يَبعثَ اللّٰهُ فيه رجلاً مِنّي --- اواهلِ بَيْتِي --- يُواطئُ اسْمُهُ اسْمِي وَاسْمُ اَبيهِ اسْمُ اَبِي' يَمْلأ الارضَ قِسطًا وعَدلاً كما مُلِئتْ ظُلمًا وجورًا))

"اگر دنیا (کی عمر) میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس دن کو لمبا کردے گا' یہاں تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ مجھ سے (یا فرمایا : میرے اہل میں سے) ایک آدمی کو اٹھائے گا' جس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا۔ وہ زمین کو انصاف اور عدل سے بھردے گا جیسا کہ اس سے پہلے وہ ظلم اور جور سے بھری ہوئی ہوگی"۔

متذکرہ بالا دونوں احادیث میں جس بادشاہ کا ذکر ہے یہ وہی شخصیت ہے جسے اہل سنت مہدی مانتے ہیں۔

عن امّ سلمة رضی اللہ عنہا قالت : سمعتُ رسولَ اللّٰه ﷺ يقول : ((اَلمَهدِيُّ مِنْ عِترَتِي' مِنْ اَولَادِ فَاطِمَةَ))

(رواه ابوداوٗد)

(ام المومنین) امّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا : "مہدی میری عترت سے' اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا میں سے ہوگا"۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا)

اس حدیث میں ان کا ذکر مہدی کے نام سے آگیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں مہدی کا تذکرہ ملتا ہے' لیکن میں اب سعودی عرب کے خاص حالات کے حوالے سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں۔ جہاں تک میرا احساس ہے سعودی عرب میں اس وقت

حالات یہی رخ اختیار کر رہے ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم! اس وقت شاہ فہد کی صحت تقریباً جواب دے چکی ہے اور ان کے انتقال کے بعد وہاں ولی عہد شہزادہ عبداللہ کی تخت نشینی کے مسئلہ پر شدید اختلاف کا اندیشہ ہے۔ مجھے تو ایک صاحب نے یہ بھی بتایا تھا کہ جب شاہ فہد نے زمامِ حکومت سنبھالی تو اس وقت بھی وہ عبداللہ کو اپنا ولی عہد بنانا پسند نہیں کر رہے تھے اور اس مسئلے پر اس قدر جھگڑا ہوا تھا کہ عبداللہ نے فہد پر گولی چلا دی تھی' لیکن وہ بچ گئے تھے۔ گویا کہ یہ چپقلش آغاز سے موجود ہے۔ اگرچہ فہد کو عبداللہ کا ولی عہد بننا پسند نہیں تھا لیکن خاندان کے بڑوں نے یہ طے کیا کہ فہد کے بعد عبداللہ کی باری ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ عبداللہ کو روکنے کے لئے اسے قتل کرا دیا جائے۔ سی آئی اے سے یہ بعید نہیں ہے۔ کوئی اور صورت بھی پیش آسکتی ہے' لیکن اس کا جو نتیجہ نکلے گا اس کا نقشہ اس حدیث کے اندر دیکھ لیجئے۔

عن امّ سلمۃ رضی اللہ عنہا عنِ النبیّ ﷺ قال : ((یَکُوْنُ اخْتِلافٌ عِندَ موتِ خلیفۃٍ فیَخرُجُ رجلٌ مِن اھلِ المدینۃِ ھاربًا الٰی مکۃَ' فیأتیہِ ناسٌ مِن اھلِ مکۃَ' فیُخرِجُوْنَہٗ وھُو کارِہٌ' فیُبایِعُوْنَہٗ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالمُقامِ))

(ام المومنین) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "ایک خلیفہ (یعنی بادشاہ) کی موت پر اختلاف واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص بھاگ کر (پناہ لینے کے لئے) مکہ چلا جائے گا۔ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اور وہ اسے نکالیں گے (بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ کعبے کے پردے کے پیچھے چھپا ہو گا) اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو گا (کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے) پھر وہ رکن (خانہ کعبہ کا وہ کونہ جس میں حجر اسود نصب ہے) اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے........"

ظاہر ہے کہ جب بھی کہیں اس طرح کا انتشار پیدا ہوتا ہے تو جو لوگ اپنی سیاسی آراء کے حوالے سے نمایاں ہوتے ہیں ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جس

شخصیت کا ذکر ہے وہ بھی کوئی نمایاں شخصیت ہوگی جو اپنی جان بچانے کے لئے مدینے سے جا کر مکہ میں پناہ لے گی۔ اہل مکہ انہیں پہچان لیں گے کہ یہی مہدئ موعود ہیں۔ چنانچہ انہیں ان کی پناہ گاہ سے (یعنی بیت اللہ کے پردوں کے پیچھے سے) نکال کر ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ زیر نظر حدیث میں اس کے بعد کچھ جنگوں کا تذکرہ ہے کہ شام سے ان کے خلاف جنگ کے لئے جو لشکر روانہ ہوگا اسے مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام بیداء پر دھنسا دیا جائے گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مہدی ہیں تو پھر شام' عراق اور عرب کے کونے کونے سے لوگ آکر ان کے ساتھ جمع ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ پھر کچھ جنگیں ہوں گی جن کے بعد مہدی کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ حدیث کے آخری الفاظ کے مطابق:

((وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْإِسلامُ بِجِرَانِهِ فِي الأَرْضِ' فَيَلْبَثُ سبعَ سِنِين ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّي عليهِ المُسْلِمُون)) (رواه ابوداؤد)

"(پھر وقت آجائے گا کہ) لوگوں پر ان کے نبیؐ کی سنت کے مطابق حکومت ہوگی اور اسلام زمین پر اپنا جھنڈا نصب کر دے گا۔ پھر وہ (مہدی) سات سال تک رہیں گے' پھر ان کا انتقال ہو جائے گا اور مسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے"۔

تو یہ ہیں حضرت مہدی جو عرب کے دورِ خلفشار میں ایک نیک شخصیت کی حیثیت سے ابھریں گے۔ اہل حق ان کے گرد جمع ہوں گے اور اہل باطل کے ساتھ ان کی جنگیں ہوں گی۔ بالآخر انہیں کامیابی حاصل ہوگی اور یہ عرب میں ایک اسلامی حکومت قائم کر لیں گے۔

اب اس کے ساتھ ان احادیث کو جوڑ لیجئے جو میں قبل ازیں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔ امام مہدی کو جو مدد ملے گی اس کے ضمن میں ابن ماجہ کی یہ حدیث بہت اہم ہے:

عن عبدِاللّٰه بن الحارث ﷺ قال قال رسولُ اللّٰه ﷺ:

((يخرجُ ناسٌ مِنَ المشرقِ فيوَطِّئُون لِلْمَهْدِي يعني سُلْطانَهُ))

عبداللہ بن الحارث ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "مشرق سے لوگ نکلیں گے جو مہدی کی مدد یعنی ان کی حکومت کے تمکن کے لئے زمین کو روندتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں گے"۔

اس حدیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ مشرق کے کسی علاقے میں پہلے سے اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ "خراسان" کا علاقہ ہے، جس کے بارے میں میں بتا چکا ہوں کہ اس میں موجودہ افغانستان کے اکثر علاقے کے علاوہ پاکستان اور ایران کے بھی بعض علاقے شامل ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((يَخْرُجُ مِنْ خُرَاسَانَ رَايَاتٌ سُوْدٌ، فَلَا يَرُدُّهَا شَيْءٌ حَتّٰى تُنْصَبَ بِإِيلِيَاء)) (رواه الترمذی)

"خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے، جنہیں کوئی شے واپس نہیں کر سکے گی، یہاں تک کہ وہ ایلیاء (بیت المقدس) میں نصب کر دیے جائیں گے"۔

اس دور میں ہم نے جن حدیثوں کو بحمد اللہ بہت عام کیا ہے ان میں سے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان ﷛ سے مروی یہ حدیث بھی ہے جو سنن النسائی میں وارد ہوئی ہے:

((عِصَابَتَانِ مِنْ اُمَّتِی اَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَعِصَابَةٌ تَكُوْنُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ))

"میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ سے بچا لے گا۔ ایک گروہ جو ہندوستان سے جہاد کرے گا اور دوسرا گروہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا ساتھ دے گا۔"

ان دو لشکروں کے بارے میں دنیا ہی میں فیصلہ کر دیا گیا کہ جو ان میں شریک ہوگا وہ جہنم کی آگ سے بچ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دجال سے جو جنگ ہونی ہے اس میں یہاں سے جانے والے لشکر شریک ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے پہلے یہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہوگی اور اس کی توسیع مشرق میں بھی ہوگی اور مغرب میں بھی۔ چنانچہ

ہندوستان پر حملہ آور ہونے والے لشکر کا تعلق بھی یہیں سے ہوگا۔

ہمارے کرنے کا اصل کام؟

احادیثِ نبویہؐ کی روشنی میں حضرت مہدی کی شخصیت کے بارے میں میں نے اپنا موقف بیان کر دیا ہے۔ اب یہ سمجھ لیجئے کہ میرے اور آپ کے کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اس جماعت میں شامل ہیں جو دین کی تجدید کے لئے اور صحیح دین کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اسے دنیا میں قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ نظامِ خلافت بالآخر قائم ہو کر رہے گا اور قیامت سے قبل پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ ہمیں اپنے بارے میں طے کرنا ہے کہ ہمارا اس میں کردار کیا ہوگا۔ ابولہب اور حضرت حمزہؓ دونوں حضور ﷺ کے سگے چچا تھے لیکن غلبۂ دین کی جدوجہد میں دونوں کا کردار ایک دوسرے کے بالکل مخالف تھا۔ ایک انتہائی محروم ٹھہرا اور سورۂ لہب میں اسے بدترین نمائندہ کردار کے طور پر پیش کیا گیا جبکہ دوسرا سید الشہداء قرار پایا۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم کس فہرست میں اپنا نام لکھوانا چاہتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کا تیسرا چچا کچھ بین بین تھا، وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن آپؐ کی سرپرستی کرتا رہا، یعنی ابوطالب۔ چوتھے چچا وہ تھے جو ایمان لائے لیکن وہ "سابقون الاولون" میں شامل نہیں تھے اور اس عظیم انقلابی جدوجہد میں ان کا کوئی نمایاں رول سامنے نہیں آتا۔ شاید اسی لئے جمعہ کے خطبوں میں ان کے لئے یہ الفاظ آتے ہیں: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا"۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ سے اگر ان کا تقابل کریں تو وہ بہت پیچھے نظر آتے ہیں۔ تو آنحضور ﷺ کے یہ چار چچا ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے چاروں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک انتہا پر سید الشہداء حضرت حمزہؓ ہیں جو "اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ" قرار پائے، دوسری انتہا پر ابولہب ہے جو آپؐ کا بدترین دشمن تھا۔ درمیان میں ایک طرف ابوطالب ہیں جو اگرچہ ایمان تو نہیں لائے لیکن آپؐ کی مدد اور تعاون کرتے رہے۔ ان کے بالمقابل دوسری

طرف درمیان میں حضرت عباس ہیں جو ایمان تو لائے اور فتح مکہ کے بعد محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی رہے لیکن آنحضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں ان سے منسوب کوئی قابلِ ذکر کارنامہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ تو اصل بات ہمارے سوچنے کی یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو کن لوگوں کے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے بارے میں کیا رول طے کرتے ہیں۔

میں اس ضمن میں ایک اور حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں کہ وہ جماعت جو آخری دور میں حق کے لئے میدان میں نکلے گی اس کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا! اس حدیث کو امام بیہقیؒ نے "دلائل النبوۃ" میں درج کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

> عن عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی ؓ قال حدّثنی مَن سمِعَ النبیَّ ﷺ یقولُ : ((اِنَّہ سیکون فی آخرِ ھٰذہِ الامۃِ قومٌ لھم مثلُ اجرِ اوَّلِھِمْ یَامُرُونَ بِالمعروفِ ویَنھَون عَنِ المُنکَرِ وَیُقَاتِلُوْنَ اَھْلَ الْفِتَنِ))
>
> "حضرت عبدالرحمٰن بن العلاء الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ سے اس شخص نے بیان کی جس نے خود براہ راست آنحضور ﷺ سے سنی' کہ یقیناً میری امت کے آخری دور میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ جو اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے بالکل ابتدائی زمانے کے اہل ایمان کے مساوی ہوں گے۔ (یعنی جیسے آنحضورؐ کے دور میں حالات انتہائی نامساعد تھے اسی طرح آخری دور میں بھی مسلمانوں کو انتہائی مشکل حالات اور آزمائشوں سے سابقہ پیش آئے گا اور اسی وجہ سے ان کا اجر بھی سابقون الاولون کے مثل ہو گا۔ لیکن یہ اجر کن لوگوں کے لئے ہو گا؟ اس کا جواب حدیث کے اگلے الفاظ میں آ رہا ہے) وہ لوگ نیکی کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور فتنہ برپا کرنے والوں سے جنگ کریں گے"۔

یہ اجر و ثواب اور مقام و مرتبہ ان لوگوں کے لئے ہو گا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے اور دشمنانِ دین کے خلاف منظم جہاد کریں گے۔ دیکھئے' اسلامی انقلاب کے آخری مراحل کے بیان کے لئے میں ہمیشہ "نہی عن المنکر" کا عنوان اختیار کرتا ہوں کہ "نہی عن المنکر" کا عمل جب "زبان" سے بڑھ کر بازو اور قوت کے استعمال کے

مرحلے میں داخل ہو گا تو یہی وہ آخری مرحلہ ہو گا جو فیصلہ کن ثابت ہو گا۔ تاہم یہ کام ایک منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ بہرکیف جو لوگ اس رخ پر جدوجہد کریں گے' اس حدیث میں انہی کے لئے بشارت وارد ہوئی ہے۔

مشکوٰۃ شریف کے آخری باب کا عنوان ہے : "ثوابُ ھٰذہِ الامۃ"۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے اسی باب میں شامل ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھئے کہ وہ مقامات بلند تو اب ہمیں کسی درجے میں بھی حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔ ابھی موقع ہے' آؤ ہمت کرو! دنیا کو چھوڑو' رہبانیت کے انداز میں نہیں' مجاہدین کے انداز میں۔ اس لئے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے سوائے دو صورتوں کے' ایک صوم اور دوسرا جہاد۔ دیکھئے روزہ میں بھی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں۔ کھانے پینے کی اور بیویوں کے ساتھ تعلقات کی۔ یہ گویا چودہ پندرہ گھنٹے کی رہبانیت ہے۔ اور جہاد میں کیا ہے؟ آدمی اپنے گھر سے نکلتا ہے' تکلیفیں اٹھاتا اور مشقتیں جھیلتا ہے' گویا یہ بھی عارضی طور پر ترکِ دنیا کی ایک صورت ہے۔ یہ وہ رہبانیت نہیں کہ دنیا سے بالکل کٹ کر غاروں میں چھپ جاؤ' بلکہ یہ تو ع نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری! " والی بات ہے۔ یہ تصوف کی ایک مختلف صورت ہے۔ یہ وہ فعال تصوف ہے جو سید احمد بریلوی شہیدؒ کا تھا جو انسان کو جہاد و قتال پر آمادہ کرتا ہے۔ اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ محمدیہؒ ہے جس میں سید احمد بریلویؒ نے بیعت لی تھی۔ ہمارے ہاں دیگر تمام سلاسل موجود ہیں۔ سلسلہ قادریہ بھی ہے اور سلسلہ چشتیہ بھی۔ اسی طرح سلسلہ صابریہ' سلسلہ مجددیہ' نقشبندیہ اور سلسلہ سہروردیہ سب موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ "سلسلہ محمدیہؒ " کہاں گیا؟ سید احمد بریلوی شہید پہلے معروف سلاسل میں کچھ سلوک طے کرانے کے بعد پھر بیعت لیتے تھے سلسلہ محمدیہؒ میں' کہ اب آؤ جہاد کی بیعت کرو! نَحنُ الَّذِینَ بَایَعُوا مُحَمَّدًا عَلَی الجِهَادِ مَا بَقِینَا اَبَدًا!! (ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد کی بیعت کی ہے' اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے۔) تنظیم اسلامی اسی دعوت کو لے کر اٹھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقنَا لِھٰذَا!

اقول قولی ھذا و استغفر اللہ لی و لکم و لسائر المسلمین و المسلمات ○○

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ